مذہب اور عقل

از افادات

سید العلماء السید علی نقی النقوی

مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز
۱۰۔ گنگا رام بلڈنگ شاہراہِ قائدِ اعظم۔ لاہور

مذہب اور عقل

از افادات

سید العلماء السید علی نقی النقوی

مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز

۱۰۔ گنگا رام بلڈنگ شاہراہ قائد اعظم ۔ لاہور

نام کتاب: ـــــــ مذہب اور عقل

تالیف: ـــــــ علامہ السید علی نقی النقوی

کتابت: ـــــــ دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ (گوجرانوالہ)

طبع دوم: ـــــــ ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۹ء

طبع سوم: ـــــــ ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴ء

ناشر: ـــــــ مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز لاہور

مطبع: ـــــــ معراج پریس

ہدیہ: ـــــــ Rs 30. روپے

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر

۲۴- الفضل مارکیٹ، اردو بازار ـــــ لاہور

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	عرضِ ناشر	۶
۲	تمہید	۷
۳	تعارف	۱۰
۴	عقیدہ	۱۳
۵	مذہب	//
۶	عقل	۱۵
۷	خدا	۱۹
۸	رسولؐ	۲۶
۹	اشرف الانبیاءؑ	۳۱
۱۰	روایتی اور تاریخی واقعات	۳۴
۱۱	کتاب	۳۵
۱۲	رُوح	۴۱
۱۳	عقائد و مراسم	۴۳
۱۴	جزاء۔ سزا۔ قیامت	۴۵
۱۵	مذہب اسلام	۴۷
۱۶	شرک	۵۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷	معجزہ	۶۱
۱۸	اصول دین	۷۲
۱۹	فروع دین	۷۴
۲۰	امامت	۷۶
۲۱	نماز	۸۰
۲۲	تقلید	//
۲۳	تقیہ	۸۱
۲۴	استخارہ	//
۲۵	فاتحہ درود	۸۲
۲۶	ذبیحہ	۸۳
۲۷	قربانی	//
۲۸	حرام حلال	۸۴
۲۹	عقد و مہر	۸۵
۳۰	کثرت ازدواج	۸۶
۳۱	پردہ	۸۷
۳۲	شب برات	//
۳۳	مراسم	۸۸
۳۴	تتمہ	//
۳۵	اصول دین	۸۹
۳۶	نبوت	۹۲
۳۷	ختم الانبیاءؐ	۹۳
۳۸	امامت	۹۴

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۹۵	بارھویں امامؑ	۳۹
۹۹	معجزہ	۴۰
۱۰۰	حاجت روا	۴۱
۱۰۱	افضل انبیاء	۴۲
۱۰۲	خلیفۂ بلافصل	۴۳
۱۰۳	اہل بیتؑ	۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

اپنے لیے ایک مذہب کی ضرورت کا احساس کرنے، مختلف مذاہب میں سے ایک مذہب کا انتخاب کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے میں ہر ایک مرحلے میں عقل ہی انسان کی بہترین رہنمائی کرتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اسی مذہب پر اعتقاد رکھنا چاہیئے اور عمل کرنا چاہیئے کہ جس کے اصول اور تعلیمات معیارِ عقل پر پورے اترتے ہوں۔

زیرِ نظر کتابچہ 'مذہب اور عقل' دنیائے اسلام کے مایۂ ناز محقق اور مکتب اہل بیتؑ کے ایک ذمہ دار ترجمان —— سید العلماء الحاج علامہ السید علی نقی النقوی مجتہد اعلی اللہ مقامہٗ کے افادات میں سے ہے۔ اس میں آپ نے اصول عقل کے مطابق توحید و معاد، نبوت و امامت پر گفتگو فرمائی ہے ایمان اور شرک پر بھی سیر حاصل بحث فرمائی ہے اس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ مذاہب عالم میں —— اسلام —— اور اسلامی مکاتب میں —— مکتب اہلبیتؑ —— صحیح معنوں میں عقلی مذہب و مکتب ہے

یہ کتابچہ پہلی بار امامیہ مشن لکھنؤ نے ۱۹۴۶ء میں پیش کیا تھا، ہمیں اس کا قدیم مسودہ —— کتاب خانہ مفید سیار، راولپنڈی —— نے اشاعت ثانی کے لیے عنایت فرمایا جو ایک باوقار قومی علمی ادارہ ہے۔ ہم نے کتاب خانہ مذکور کی تحریک اور اس کتابچے کی افادیت کے پیش نظر اسے نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ امید ہے کہ افراد قوم ہماری اس خالص علمی پیش کش کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

آپ کے تعاون کا طلب گار

مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَهُ الحَمدُ

تمہید

جب کہ دنیا میں صدہا مذہب چل رہے ہیں اور ہر ایک اپنے سوا اوروں کو گمراہ بتاتا ہے، تو ایک جویائے حقیقت کا فرض ہے کہ وہ ان سب کو عقل سے پرکھے اور جہاں تک عرصۂ حیات میں گنجائش پائے، برابر قدم آگے بڑھاتا چلا جائے یہاں تک کہ کسی ایک کو پورے طور پر صحیح سمجھ لے۔

راستوں کی کثرت سے گھبرا کر تحقیق سے جی چرانا اور ناچار سب کو خیرباد کہہ دینا دماغی کاہلی ہے جس کا نتیجہ ہرگز اطمینان بخش نہیں ہو سکتا۔

نظامِ ہستی میں دانائی کارفرما ہے، جس کے مظاہرات کو آنکھ دیکھ رہی ہے، عقل سمجھ رہی ہے، دل مان رہا ہے۔

اس دانائی کا مرکز ایک ہستی ضرور ہے جس کا اس تمام نظام کے ساتھ یکساں تعلق ہے۔

ذہن اُس کا اقرار کرلے، یہ ذہن کی حقیقت شناسی ہے مگر وہ ذہنی تخلیق کا نتیجہ نہیں ہے۔ تخلیق کی ضرورت تو اُس کے لیے ہوتی ہے جس کی کوئی اصل و حقیقت نہ ہو مگر اس حقیقت کا جلوہ تو خود ذہن کو ہر چیز میں دکھائی دیتا ہے۔ یقیناً وہ "حقیقت" ثابت ہے جو ذہن اور اُس کی تخلیق سے بالاتر ہے۔

صناعیوں میں قدرت کا ظہور ہے اس لیے قادر صناع کا پتہ چلتا ہے۔ وہ صناعیوں سے

علیحدہ ضرور ہے کیونکہ صناعیاں تو بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں مگر وہ برابر قائم ہے۔ جو اُس کے موجود ہونے کا قائل ہوگا اُسے وجود کا مقر ہونا پڑے گا۔ مگر یہ وجود اُس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہے۔ نہ اُس کی قدرت ذات سے جدا ہے۔

شرع محمدی اور قرآنی ہدایتوں کے پیرو "مسلمان" کہلاتے ہیں۔ یہ کلام اللہ اور رسول اللہؐ کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کلام جسمانی طور پر ذات الٰہی سے صادر ہوتا ہے یا وہ کسی خاص مقام پر بیٹھ کر رسولؐ کو بھیجتا ہے ہرگز نہیں۔ خدا جسم سے بری اور مقام سے بے نیاز ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ اس کلام کا خالق ہے یعنی اپنے خاص ارادہ سے کسی مخلوق کی زبان پر اُس کو جاری کراتا ہے اور کسی خاص شخص کو اپنے منشا کے موافق احکام پہنچانے اور خلق کی رہنمائی کے لیے مقرر کرتا ہے۔

امامیہ فرقہ میں بارہویںؑ امام کی امامت اور غیبت کا ماننا ضرور ہے۔

گیارہؑ امام سب مختلف پردوں میں امامت یعنی ہدایت خلق کا کام انجام دیتے رہے ویسے ہی بارھویں امام بھی انجام دیتے ہیں۔

جن عقلی ثبوتوں پر گیارہؑ اماموں کی امامت کو تسلیم کیا اُنہی سے بارہویں کی امامت اور حیات کا ثبوت ہے۔

کوئی شے عدم سے وجود میں آکر بالکل فنا نہیں ہوتی۔ کسی نہ کسی صورت سے باقی رہتی ہے۔ انسان کے لیے بھی کوئی مُستقبل ہے۔ جس پر جزاؤ سزا کا انحصار ہے۔ یہ عقل کا فیصلہ ہے۔ پہلے کی باتیں خود یاد نہ ہوں نہ سہی مگر معتبر بتانے والوں کی اطلاع دہی کو غلط کیسے کہا جائے جب کہ اپنے آپ کو کچھ یاد نہیں اور کہنے والوں کو عقل سچائی کی سند دے چکی۔

یوں ہی آئندہ کی باتیں، کچھ تو عقل خود سمجھتی ہے اور کچھ کے لیے بتانے والوں کے چہرے دیکھتی ہے۔ جو کچھ وہ بتلاتے ہیں اُس پر سر جھکاتی ہے کیونکہ اس کے خلاف وہ خود

کوئی فیصلہ نہیں رکھتی۔

عقیدوں پر عقل کا پہرا ہے۔ بے شک مراسم کو حیثیت کا پابند ہونا چاہیئے اسی بنا پر "مذہب اور عقل" کو کتابی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ عقل و مذہب کی جدائی کا جو ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے اُس کی حقیقت کھُلے۔ آئینہ سے چھائیاں دور ہو جائیں اور حقیقت کا چہرہ صاف نظر آنے لگے۔

علی نقی النقوی

۱۶۔ ماہ صیام ۱۳۶۰ھ

تعارف

مذہب ۱۔ ایک روشن حقیقت ہے جس کا جلوہ "عقل" کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آئینہ دھندلا نہ ہو۔ ورنہ اپنی کدورت سے چہرہ کو داغدار بنائے گا۔ عیب اُس کا ہوگا۔ حقیقت پر حرف آئے گا۔ منشا یہ ہے کہ مذہب پر صحیح عقل کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے اور پاکیزہ اسلام غلط توہمات اور باطل اعتراضات سے بری ہو جائے۔ بالکل سچا اور بے عیب نظر آئے اور عقل و مذہب کے تفرقہ کا خیال برطرف ہو۔ کیونکہ عقل و مذہب میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مذہب عقل کو آواز دیتا ہے اور عقل مذہب کو ثابت کرتی ہے۔

مگر عقل اور وہم میں مدتوں سے کاوش چلی آتی ہے" وہم" بھیس بدل بدل کر عقل کے راستے سے ہٹاتا رہتا ہے۔ پہلے بھی کد تھی، اب بھی ضد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے توہمات جہالت کے دور کی پیداوار تھے اس لیے اُن کا پردہ جلدی چاک ہو جاتا تھا۔ اب "نئی روشنی" کے علمی پندار کا نتیجہ ہیں جب کہ سائینس بڑی ترقی کر گیا ہے اس لیے ملمع بہت اچھا ہونے لگا۔ ایمی ٹیشن ایسا تیار ہوتا ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز دشوار ہوتی ہے۔

کوٹو جم اصلی گھی کو مات کر رہا ہے۔ اُسی بھاؤ بکتا ہے۔ اب کہیں اصلی گھی ہے بھی تو اُس کی قدر و قیمت رائگاں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

حکومتیں زیادہ تر عقل و مذہب کے ہمیشہ سے خلاف رہیں کیونکہ یہ دونوں حکومتوں کے ظلم و استبداد اور من مانی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں مگر مذہب کو اپنی طاقت پر ہمیشہ بھروسا رہا اُسے جتنا مٹایا گیا اُتنا نمایاں ہوتا رہا۔ یہ اُس کی فطری سچائی کا کرشمہ ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

عقل ہر چند جھوٹ مبالغہ کی گنجائش مطلق نہیں رکھتی مگر وہم اکثر عقل کا سوانگ بھر لیتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو عقلائے زمانہ عقلی باتوں میں مختلف نہ ہوتے اور آپس میں کبھی دست و گریبان نہ ہوتے۔

بدیں وجہ خدا، رسول، کتاب، روح، عقائد اور مراسم میں مذہب اور عقل کے سچے فیصلے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ توہمات کو دخل در معقولات کا موقع نہ ملے۔
بے شک رواسم جو اکثر آس پاس کی قوموں کی دیکھا دیکھی رواج پا چکے ہیں وہ آج فضا میں بدنما، ترقیوں کو مانع، مذہب کو نقصان رساں، عقل کے رہزن، حیثیت کے دشمن ہیں۔ اُن کو بدلنا ضروری ہے۔
یعنی عقائد کے بارے میں غلط توہمات کا دفعیہ ۔ نقصان رساں مراسم میں ترمیم درکار ہے۔

اس لیے مراسم کی حقیقت اور عقیدوں کی غلط تعبیروں کے عقدے کھولے ہیں۔ جو "اصلاح" کے پردہ میں مفسدہ پردازی کا توڑ، ہوسناک معترضین کے چیلنج کا دفعیہ، طمع کار انشاء پردازوں کے نوٹس کا جواب، دعویداران فہم سے تبادلہ خیال کا الٹی میٹم ہیں۔
موجودہ صناعیوں کے دور میں تخیل کی فیکٹری میں پرانے اور نئے سبھی قسم کے شبہات ڈھلتے ہیں۔ مصلحان قوم، صاحبان فہم، اہل نظر، اہل قلم کا یہ فرض ہے کہ وہ اُن شبہات کی حقیقت کو ظاہر کریں۔

عقیدوں میں مداخلت، معاشرت میں تغیر، رواج میں تبدّل، دستور میں دست اندازی کبھی تو حقیقت پروری کی بنیاد پر ضروری اور مناسب ہوتی ہے اور کبھی صرف "فیشن" کے لحاظ سے اُس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ تمدن کا فلسفہ اور خود آرائی کا آئینہ نہیں بلکہ خود بینی اور خود نمائی کا آئینہ ہے جو عقل اور استدلال کی چٹان پر گر کر پاش پاش ہوتا ہے۔
دل کہتا ہے:

از قضا آئینہ چینی شکست

اور دماغ خوش ہو کر آواز دیتا ہے۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست

جدت پرستوں کی مکدر کی ہوئی ہوا ہے جو سات سمندر پار سے ہیضہ اور طاعون کی طرح آئی ہے اور پھیل گئی ہے فیشن کی وبا عام ہے مرد مونچھیں منڈاتے ہیں اور عورتیں سر کے بال ترشواتی ہیں۔ غرض فطرت سے جنگ کا دور دورہ ہے۔ روس میں خدا کو سلطنت سے بیدخل کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اینٹی گاڈ سوسائٹی بنی ہے۔ اس دباؤ کے خلاف انسانی تمدن کی صحت کو قائم رکھنا آسان نہیں مشکل کام ہے۔ پھر بھی یہ اطمینان ہے کہ جو بھی ہو عارضی بات ہے۔ آخر طبیعت غالب آئے گی اور مرض کے جراثیم ختم ہوں گے۔

وہ عقائد جن کو عقل کی تائید حاصل ہے۔ جو فطرت کی تحریک سے خون میں سرایت کیے ہوئے، رگ و پے میں پیوست، دل میں گھر اور دماغ میں خانہ بنا چکے ہیں آخر اپنی طاقت دکھلائیں گے اور غیر فطری شبہات و توہمات کی کدورت کو دور کر کے ذہن کے آئینہ کو صاف کر دیں گے۔

بے شک وہ رسمیں جو عقلی فیصلوں کے خلاف صرف بر بنائے رواج قائم ہو گئی ہیں، ان کو بدلنا، رواج کو توڑنا، اور عادت کو چھوڑنا ضرور ہے۔

اس انقلاب کے لیے ہر ایک کو تیار ہونا چاہیے اور اس کی کوشش کرنا چاہیے۔

ہاں اپنا عرصۂ حیات، خوشگوار بنانے کے لیے ان رسموں کے لحاظ سے اصلاح معاشرت کی ضرورت ہے۔ بیجا پابندیوں میں وقت، مراسم میں حیثیت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اس لیے عقیدت کی اصلی حقیقت کو پیش اور رسموں کے نقائص کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصحاب فہم کا اعتراف، بوالہوس معترضین کا عاجلانہ اضطراب توقع دلاتا ہے کہ شبہات کی سمیت کے لیے یہ تریاق ضرور اثر کرے گا۔ معترضین کی زبانیں بند ہوں گی اور مذہب کے خلاف صدائیں خاموش ہو جائیں گی۔ دوسری طرف رسوم بیجا کی اصلاح کا چرچا بڑھتا رہے گا اور کچھ دن میں یہ

خیالات فضا میں گھومتے ، ہوا میں گونجتے نظر آئیں گے اور صدہا اصلاح پسند ہستیاں ہمنوا ہو جائیں گی۔

عقیدہ

عقل کی کسوٹی پر کس کے، دماغ سے خوب اچھی طرح ٹھونک بجا اور پرکھ کے جس خیال کو ذہن مانے اور دل قبول کرے وہ سچا "عقیدہ" ہے۔

مذہب حق عقائد میں کہنے سننے اور تقلید کرنے یعنی بے سوچے سمجھے دوسرے کی بات مان لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ منقولات کا درجہ معقولات کے بعد ہے منقولات وہ مانے جاتے ہیں جن کے ماننے پر عقل خود مجبور کرے اس لیے وہ منقولات بھی معقولات سے الگ نہیں۔ منقولات قدیمہ اور مسلّمات سابقہ میں عقل کو تحقیق کا حق ہے۔ اور تحقیق کی آخری منزل یقین ہے۔ عقیدہ بھی اسی کے ماتحت ہے اسی لیے مذہب تحقیق کو ضروری قرار دیتا ہے اور عقل کو پکار پکار کر متوجہ کرتا ہے۔

مگر یہ جسے تم اکثر "تحقیق" کا لقب دیتے ہو۔ وہم، وسوسہ اور خیال سے ساز رکھتا ہے اس سے ضرور ہوشیار چلنا چاہیئے۔

مذہب

ٹھوس حقیقتوں کا مجموعہ جن کی سچائی پر عقل نے گواہی دی۔ اور جو دنیا کی تمدنی اصلاح کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے، وہی سچا مذہب ہے۔

یوں تو دعویدار بہت ہیں جنگل میں بالو چمک کر اکثر پیاسوں کو پانی کا دھوکا دیتی ہے مگر سانچ کو آنچ کیا۔ کھوٹا کھرا چلن میں کھل ہی جاتا ہے۔

بے شک سچے مذہب میں معاشرت کے اصول، تمدن کے قاعدے، نیکی کی ہدایت،

بدی سے ممانعت ہے اور جبروتی قوت بھی ساتھ ہے۔ جزا ، سزا ، قہر ، غضب رحم وعطا ثابت حقیقتیں ہیں جن کی اہمیت کے سامنے عقل سرنگوں ہے۔

سچا مذہب عقل والوں کو آواز دیتا ہے اور جو باتیں عقل سے ماننے کی ہیں اُن میں عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ سرکش انسان جذبات کی پیروی نہ کرے اور کمزور اور کاہل عقلیں اپنے باپ دادا کے طور طریقہ ، ماحول کے تقاضے ہم چشموں کے بہلانے پھسلانے سے متاثر ہو کر سیدھے راستے سے نہ ہٹیں "حقیقت" کسی کے ذہن کی پیداوار نہیں ہوتی ، اس لیے سچا مذہب کسی کی جودت طبع کا نتیجہ نہیں۔ بے شک اُس تک پہنچنا اور پہنچ کر اُس پر برقرار رہنا انسان کی عقلی بلندی کی دلیل ہے۔

جھوٹے مذہب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کو بربادی کی طرف لے جانے والے ، معاشرت کے تباہ کرنے والے ، تمدن کے جھوٹے دعویدار ، تہذیب کے بدترین دشمن۔ بدی کے محرک اور فتنہ انگیزی کے باعث ہوں۔ لیکن سچا مذہب وہی ہے جو عالم میں امن وسکون کا علمبردار ، معاشرت کا بہتر رہبر ، تمدن کا سچا مشیر ، تہذیب کا اچھا معلم ، طبیعت کی خودروی ، بدی کی روک تھام ، ممنوعات سے باز رکھنے کو زبردست اتالیق ہے۔ فتنہ انگیزی سے بچنے بچانے کو نگہبان ، امن وامان کا محافظ ، جرائم کا سدِّراہ ، فطرت کی بہترین اصلاح ہے۔

انسان کی فطرت میں دو نوں پہلو ہیں۔ حیوانیت و جہالت اور عقل ومعرفت ، مذہب کا کام ہے دوسرے پہلو کو قوت پہنچا کر پہلے کو مغلوب بنانا اور اُس کے استعمال میں توازن اور اعتدال قائم کرنا۔ فطرت کے جوش اور جذبات کو فطرت کی دی ہوئی عقل سے دباتا اور انسان کو روکتا تھامتا رہتا ہے۔ جذبات کے گھٹاٹوپ میں قوت امتیاز کا چراغ دکھاتا۔ اور اچھا بُرا راستہ بتاتا ہے خطرے اور کجروی سے باز رکھتا ہے۔

طبیعت انسانی ایک سادہ کاغذ ہے۔ جیسا نقش بناؤ ویسا اُبھرے ، جوانی کی اودھم ، خواہشوں کی شورش ، نفس کی غداری ، جس کو بدی کہا جاتا ہے اُس کی صلاحیت بھی فطری ہے اور شرم وحیا ، نیکی اور پارسائی ، تعلیم کی قبولیت اور ادب آموزی کی قدرت بھی فطری ہے۔ بے شک پہلی طاقت کے محرکات چونکہ مادی ہوتے ہیں ، انسان کے آس پاس ، آمنے سامنے موجود رہتے

ہیں اس لیے اکثر اُن کی طرف میلان جلدی ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جن کی عقل کامل اور شعور بلا فتور ہوتا ہے۔ وہ اُن تمام محرکات کے خلاف نیکی کی طرف خود سے مائل ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ جن کی عقل کمزور اور کاہل ہے وہ نیکی کی جانب مائل کرائے جاتے ہیں اُس نیک توفیق کی عقل انجام بین پر صد ہزار آفریں۔ جس نے مذہب کی باتوں کو سمجھا اور دوسروں کو بتلایا اور حیوانوں کو انسان بنایا۔ مذہب نہ ہو تو حیوانیت پھر سے عود کر آئے۔ شہوانی خواہشوں کا غلبہ ہو۔ انسان حرص و ہوس کی وجہ سے اعتدال قائم نہیں رکھ سکتا اس لیے مذہب کا دباؤ اُس کے لیے بہترین طریقہ ہے۔

فطرت نے درد دکھ کی بے چینیاں، بے بسی کا عالم۔ سکرات کا منظر، نزع کی سختیاں، موت کا سماں آنکھ سے دکھا دیا، مذہب نے مستقبل کے خطرہ، آخرت کی دہشت، بازپرس کے خوف، بدلے کے اندیشے پر عقل کو توجہ دلائی۔

عقل نے غور کیا، سمجھا اور صحیح مانا اور نگاہ دُور بیں سے اُن نتائج کو معلوم کر لیا۔

اصلاح کے لیے لامذہب بھی کہتے ہیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے اور بے شمار اصلاح پسندوں نے انجام سوچ کر یہ رویّہ اچھا سمجھا ہے۔ تو کبھی مذہب کی ان تنبیہوں کو صرف "دھمکی" بتا کر اور ان نتیجوں کو "نامعلوم" کہہ کر اُن کی وقعت نہ گھٹائیں۔ نہیں تو ایک طرف حقیقت کا انکار ہو گا دوسری طرف اصلاح کے مقصد کو ٹھیس لگے گی جس کی ضرورت کا اُن کو بھی اقرار ہے۔

عقل

سوچنے سمجھنے والی، دیکھی باتوں پر غور کر کے ان دیکھی باتوں پر حکم لگانے والی بڑے بڑے کُلیے بنانے والی اور اُن کلیوں پر نتیجے مرتب کرنے والی قوت کا نام عقل ہے۔

انسان کے علاوہ تمام حیوانوں میں صرف حواس ہیں اور وہ حواس کے احاطہ میں اچھا بُرا، نفع نقصان پہچان لیتے ہیں۔ مگر یہ قوت جس کا نام "عقل" ہے انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسی کی وجہ سے آدمی کو ذوق جستجو پیدا ہوتا ہے اور اس جستجو سے پھر اُس کی عقل اور بڑھتی ہے۔ وہ اسی عقل کے برکات سے معلومات کا ذخیرہ فراہم کرتا رہتا ہے۔ موجودہ لوگوں سے تبادلہ خیال، پچھلی کتابوں سے سبق لے کر ہزاروں برس کی گزشتہ آوازوں میں اپنی صدا بڑھا کر آئندہ صدیوں تک پہنچانے کا حریص ہے، اس کی عقل کبھی محدود یا مکمل نہیں ہو سکتی وہ اپنی عقل کا قصور مان کر آگے بڑھ رہا ہے۔

یہ ذوق ترقی انسان کے علاوہ کسی دوسرے میں ناپید ہے۔ انسان کے سوا دوسرا مخلوق لاکھوں برس طے کرے تب بھی انسان نہیں بن سکتا۔

انسان اصل نسل میں سب سے الگ اور خود ہی اپنی مثال ہے۔ بے شک تہذیب و تمدن میں اُس کی حالتیں بدلتی رہیں لامعلوم صدیوں کو طے کر کے موجودہ تہذیب و تمدن کی منزل تک پہنچا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے ہر طرح ترقی کی۔

اُس نے بہت سے قدم ناسمجھی کے بھی اُٹھائے جن سے آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹا۔ واللہ اعلم آگے بڑھ کے کہاں پہنچے۔

اُس کا عقلی کمال اس میں ہے کہ وہ اپنے معلومات کی کوتاہی کا احساس قائم رکھے۔ اسی لیے اکثر باتوں میں خود عقل حکم لگانے سے انکار کرتی ہے اور انہیں اپنے دسترس کے حدود سے بالاتر قرار دیتی ہے۔

بہت باتوں کو خود عقل سماع کے حوالہ کرتی ہے ان میں اپنا کام بس اتنا سمجھتی ہے کہ امکان کی جانچ کرے، محال نہ ہونے کا اطمینان کر لے۔ اس کے بعد صحت اور عدم صحت مخبر کے درجہ اور اعتبار سے وابستہ ہے۔

واہمہ مشاہدہ کی گود کا پلا، اُس کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اُس نے بہت باتوں کو جن کی مثال آنکھ سے نہیں دیکھی غیر ممکن کہدیا۔

اسی کے ماتحت انبیاء کے معجزات کا انکار کیا مگر عقل جو مادیت کے پردے اُٹھا کر کائنات کے شکنجے توڑ کر حقیقتوں کا پتہ لگانے میں مشتاق ہے۔ اُس نے وقوع اور امکان میں فرق رکھا، محال عادی اور محال عقلی کے درجے قرار دیئے اور غیر معمولی مظاہرات کو جو عام نظام اور دستور کے

خلاف ہوں ممکن بنایا اسی سے معجزات انبیا، کی تصدیق کی۔

آج ہزاروں صناعوں کی کارستانیوں نے اس کو ثابت کر دیا۔ موجودہ زمانہ کی ہزاروں شکلیں، لاکھوں اوزار، بے شمار ہتھیار، لاانتہا مشینیں، ہزارہا میل ایسے ایسے منظر دکھاتی ہیں جنہیں سو دو سو برس پہلے بھی کسی سے کہتے تو وہ دیوانہ بناتا اور سب باتوں کو غیر ممکن ٹھہراتا۔ آج وہ سب باتیں ممکن نہیں بلکہ واقع نظر آتی ہیں۔

ان کارستانیوں نے معجزات انبیا، کا خاکہ کیا اُڑایا، بلکہ اُن کو ثابت کر دکھایا۔

جو بات آج علم کی تدریجی اور طبیعی ترقی کے بعد دنیا میں ظاہر ہوئی آج معجزہ نہیں ہے۔ لیکن یہی موجودہ انکشافات کے پہلے، عام اسباب کے مہیا کیے بغیر صرف خداوندی رہنمائی سے ظاہر ہوئی تو معجزہ ٹھہری۔

مثلاً سینما میں عقل کا تماشا ہو یا انجنوں اور موٹروں کی تیز رفتاری، ہوائی جہاز ہو یا ٹیلیفون، وائرلس، ریڈیو، اور لاؤڈ اسپیکر سب نے کائنات کی پوشیدہ طاقتوں کا راز کھولا، راز بھی وہ جو لاکھوں برس تک عام انسانوں سے پوشیدہ رہا۔ پھر انسان کو کیا حق ہے کہ وہ کسی چیز کو صرف اپنے حدودِ مشاہدہ سے باہر ہونے کی وجہ سے غیر ممکن بتادے۔

مگر یہ انسان کی سخن پروری ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو دیکھ کر بھی انبیاء کے معجزات کو افسانہ کہتا ہے۔

عقل ایک واحد طاقت ہے جس کے ماتحت بہت سی قوتیں ہیں۔ ان میں سے ہر قوت ایک احساس ہے اور عقل کا نتیجہ علم ہے۔ انسان کا دماغ مخزن ہے۔ قوت عاقلہ اور پانچوں حواس اُس میں معلومات جمع کرتے رہتے ہیں۔ یہی سرمایہ انسان کی کائنات زندگی ہے۔

طبائع انسانی جذبات کے ماتحت جدت پر مائل ہیں۔ ہوا و ہوس کی شوخیاں نچلا بیٹھنا پسند نہیں کرتیں۔

کبھی حجری زمانہ تھا، بتوں کی خدائی تھی، اب شمسی عہد ہے، عالم کا نظام اجسام میں کشش، بھر کی منیا سے قائم ہے پہلے آسمان گردش میں تھا، زمین ساکت تھی۔ اب آسمان ہوا ہو گیا۔ زمین کو چکر ہے، ابھی تک جسم فنا ہو جاتا تھا روح باقی رہتی تھی۔ اب کہا جاتا ہے کہ جسم کے آگے رُوح کا

کا وجود ہی نہیں یہ انساں کے ناقص خیالات ہیں جن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ۔ مگر عقل بر جا و ثابت قدم اور مستقل مزاج ہے ۔ وہ جن باتوں کو ایک دفعہ یقین کے ساتھ طے کر چکی ۔ ہمیشہ انہیں یقینی سمجھتی ہے کوئی سنے یا نہ سنے مانے یا نہ مانے وہ اپنی کہے جاتی ہے ۔

مذہب کے خلاف تو ہمات ہمیشہ سے صف بستہ تھے ۔ آج بھی پرے جمائے ہیں ۔ جذبات انسانی اس کی گرفت سے نکلنے کو پھڑ پھڑائے اور اب بھی پھڑ پھڑاتے ہیں مگر عقل اور فطرت کی مدد سے اس کا شکنجہ ہمیشہ مضبوط رہا اور اب بھی مضبوط ہے ۔ خدا کی سنت یعنی فطرت کی رفتار کو تبدیلی نہیں ہوتی ۔ زمانہ کی تاثیر ، ماحول کا اثر ، صورتیں شکلیں ، ڈیل ڈول ، وضع قطع ، ذہنیت میں تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔

صدیوں میں ملکوں کا جغرافیہ ، قوموں کی تاریخ ، برسوں میں مقامی فضا طبیعتوں کا رنگ ۔ مہینوں میں فصلوں کا تداخل ، ہفتوں میں چاند کا بدر و ہلال ، گھنٹوں میں مہر کا عروج و زوال منٹوں میں سطح آب پر یا لب جو حبابوں کا بننا بگڑنا ۔ دم بھر میں سانس کا الٹ پھیر ، آنا جانا ۔ حیات سے ممات سب کچھ ہوا کرے ۔ مگر عقل کی ثابت حقیقتیں کبھی تبدیل نہیں ہو سکتیں ۔

اسلام انہی حقیقتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھائے ہے ۔ اس میں تو ہمات کے سیلاب سے مقابلہ ۔ جذبات سے بیر ، دنیا جہان کے خیالات سے لڑائی ٹھانی ہے مگر ہے تو نیک صلاح ۔

اگر خاموش بنشینم گناہ است

انسان کی بھیڑیا دھسان خلقت نے ایک وقت میں حیوانات کے ساتھ ساز کیا اور ذی اقتدار انسانوں کو خدا ماننے میں تامل نہیں کیا ۔ پھر خدا کو انسان کے قالب میں مانا بلکہ اُن سے بھی پست ہو کر درختوں کی پوجا کی ۔ اور پہاڑوں کو معبود بنا لیا ۔ اب جب کہ وہ ترقی کا مدعی ہے تو مادہ کے ذروں کو سب کچھ سمجھتا اور کائنات کی پوشیدہ قوتوں کی پرستش کر رہا ہے ۔ خیر اس کی نگاہ حاضر جسموں سے پوشیدہ طاقتوں کی طرف مڑی تو !

امید ہے کہ اگر عقل صلاح کار کا مشورہ قبول کرے تو غیب پر ایمان لے آئے اور مافوق الطبیعت خدا کی ہستی کا اقرار کر لے ، وہ خدا جو آسمان اور زمین سب کا مالک ہے کسی جگہ

میں محدود نہیں۔ بے شک خلق کی ہدایت کے لیے زمین پر اپنے پیغامبر بھیجتا اور اُن کی زبانی بہترین تعلیمات پہنچاتا ہے اور خصوصی دلائل اور نشانیوں کے ذریعہ ان کی تصدیق کرتا ہے۔ ان دلائل کا نام معجزات ہے۔ مستقبل کے اخبار ان کے ماتحت ہیں۔ فطرت و عقل دونوں ان کے ہم آہنگ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

خدا

مذہب حق اور عقل دونوں متحد ہیں اس لیے مذہبی اور عقلی خدا الگ الگ نہیں ہے۔

وہ واحد ہے لاشریک ہے، تمام اوصاف حمیدہ سے متصف ہے۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ اُس کے سب سے زیادہ پہچاننے والے کی آواز ہے۔ لامکان ہے قابَ قوسین اَوْ اَدْنیٰ اُس سے تقرب کا ایک مجازی نشان ہے۔ کوہ طور کی تجلیٰ اُس کی قدرت کی ایک ادنیٰ شان ہے۔ سب کو دیکھتا ہر ایک کی سنتا ہے اس معنیٰ سے کہ اُس کی دانائی ہر شے کو عام ہے۔ الفاظ اُس کے مخلوق ہیں یہی اُس کا کلام ہے۔ جبرئیل اور موسیٰ سے انہی معنیٰ میں ہم کلام ہے۔ قیامت کے روز پوچھ گچھ اُس کے حکم سے ہوگی۔ صحائف فرقان، توریت، انجیل، زبور، سب اُس کے مخلوق کلام ہیں۔

انسان اپنے خالق کی جستجو میں سرگردان ہے لیکن اُس کا وہم و ادراک تخلیق عناصر اور ان کی پیچیدگیوں میں اُلجھ کر فضائے لامحدود سے آگے نہیں بڑھتا مگر عقل قدم آگے بڑھاتی ہے نظام ہستی کو دیکھ کر یقین کرتی ہے کہ یہ عظیم الشان کارخانہ کسی دانشمند نے سوچ سمجھ کر عمداً بنایا ہے۔ جس صنعت کا کوئی صانع نظر نہ آئے۔ جس قوت کا باعث کوئی دکھائی نہ دے۔ جس دانائی کا کوئی دانشمند معلوم نہ ہو سکے اُس کے لیے خواہ مخواہ کوئی مجاز نہیں ہو سکتا کہ جو چاہے سمجھ لے بے شک عقل کا کام غور کرنا ہے اور اسی کو اپنے یقین کی بنا پر مافوق الادراک میں دخل در معقولات کا حق ہے۔

خدا دکھائی نہیں دیتا۔ جان یا روح بھی نظر نہیں آتی۔ جسم سامنے ہے اور متحرک ہے۔

جسم بغیر کسی قوت کے متحرک نہیں ہو سکتا، اس کے اندر کوئی قوت ضرور ہے جو متحرک کر رہی ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ یہ سچ ہے کہ قوت جسم نہیں رکھتی مگر بغیر جسم کے ثابت بھی نہیں ہو سکتی اس لیے وہ جسم کے ساتھ شامل اور پیوستہ خود نمایاں ہوتی ہے۔ ہم نے اس کا نام قوت نامیہ رکھ لیا مگر چونکہ وہ خود جسم کے وجود کی محتاج ہے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ قوت متحرکہ نے جسم کی بنیاد ڈالی ہے۔

عقل نے مزید کاوش کی تو کائنات کے ذرے ذرے میں ایک اور مقدم تر کیفیت محسوس کی جو ذی حیاتوں میں قوت مقناطیسی اور ذی روحوں میں جذبات یا فطرت کی حیثیت سے وابستہ پائی گئی، یعنی اجسام میں کشش اور نر و مادہ کے درمیان خواہش بن کر نمودار ہے۔ یہی دو جسموں کو ملا کر تیسرا جسم اور قوت نامیہ پیدا کر رہی ہے اور اس میں خلاقی طاقت مضمر نظر آتی ہے۔ یہی ابتدائی اور بنیادی قوت نظام ہستی کی بانی معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے اس کا نام قوت جاذبہ رکھ لیا۔ ان سب آثار کے مخزن اور مرکز کو ہر جسم میں جان کہنے لگے۔ یہ جسم و جان باہم آمیختہ ایک دوسرے کے ساختہ پرداختہ پائے گئے۔ اگر ہم جان کو جسم سے بے نیاز پاتے تو شاید جان کو خدا مان لیتے مگر ہم جسم و جان کو شامل اور پیوستہ مخلوق پاتے ہیں اس لیے ہماری عقل ان کو خدا ماننے پر تیار نہیں ہوتی اور جسم و جان کے پیدا کرنے والے کو خدا مانا ہے۔

اسی طرح ظاہر بظاہر آفتاب کی حرارت، ایتھر کی کاوشیں، عناصر کی جدوجہد، فضائے لامحدود میں ہر قسم کی خلقت بناتی رہتی ہے۔ اس کی طرف بھی تخلیق کی نسبت کا دھوکا ہوتا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ عناصر کے دماغ نہیں جو سوچیں، عقل نہیں جو دانائی ظہور میں آئے اور کائنات کی ہر شے کی ساخت میں سوچی سمجھی، دانائی پائی جاتی ہے۔ وہ سلیقہ شعار جس کی کارسازیاں، ایتھر، عناصر، موالید ثلاثہ سے ظاہر ہیں دکھائی نہیں دیتا مگر ضرور وہ ان سب سے بالاتر ہے اسلیے ہم نے ان سے مقدم اور بالاتر قوت اول و اعلیٰ کو اپنا رب یا خالق مان لیا ہے۔ واضح ہو گیا کہ خدا انسان کی ذہنی تخلیق نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کو ذہن نے اس کے آثار اور مخلوقات کو دیکھ کر معلوم کیا ہے اور اسی کو نظام ہستی کا بانی قرار دیا ہے۔

عقل و مذہب کے معلومات میں سب سے زیادہ اہم بالشان وجود خداوندی ہے۔

ذہن انسانی نے اب تک خداشناسی میں ہر چند کد و کاوش کی مگر مسلمانوں کے وحدہ لاشریک سے بہتر اوصاف نہ بتلا سکا۔ جس کی ذات، اصل حقیقت کو سمجھنا ناممکن ہے لیکن صنعت صانع کو دکھا رہی ہے۔ خلقت خالق کو بتا رہی ہے۔ سلیقہ دانشمندیاں پیش کر رہا ہے۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ قدرت دیکھیں قادر نہ کہیں، صناعی دیکھیں دانائی نہ مانیں۔ مخلوق کے ہوتے بھی خالق نہ مانا جائے۔

عقل کے پتلوں نے صحن عالم میں مخلوق کی تصویریں چلتی پھرتی دیکھیں۔ افلاک کو حکمت سے رفیع، کائنات کو قدرت سے وسیع۔ موجودات کو فطرت سے موضوع، خلا کو خلقت سے مملو پایا۔ خالق کو تسلیم کر لیا۔ غور سے دیکھا تو اپنے گرد و پیش کی تمام مخلوق میں آفتاب کو کارفرما۔ عناصر کو جلوہ آرا پایا۔ زمانے بھر میں اسی کی گرماگرمی پائی۔ فضائے فلکی میں آلِ آفتاب کو گھومتے پھرتے ستاروں کو جگمگاتے، سیاروں کو چکر کھاتے دیکھا۔ اجسام میں کشش، کشش میں رابطہ، اجرام میں گردش۔ گردش میں ضابطہ نظر آیا، مگر سب کو قاعدہ کا پابند، فطرت کا تابع، قانونِ قدرت کا مطیع دیکھا۔ سطح ارضی پر ہوا کو حاوی، پانی کو جاری، نباتات میں نمو، جمادات کو قائم، حیوانات کو متحرک پایا، اُن کی بقا کے لیے ہوا میں روح، پانی میں زندگی، نباتات میں غذا پائی، سب کے پیکروں میں اعضا کا تناسب، ہر شے ضروری اجزا سے مرکب، ہر جسم مناسب اعضا سے مرتب، ہر چیز موزونیت سے سجی سجائی پائی، ان کی خلقت میں منشا، نوعیت میں ارادہ، صنعت میں سلیقہ، صناعی میں دانائی نظر آئی، کثرت مشاہدہ نے دماغ کو ایسا گھیرا کہ عقل سے نہیں کے بجائے ہاں کہنا پڑا۔ لاکھ موجودات کے مشاہدہ نے دکھایا، بتایا، سمجھایا، ہزار ذہن رسا کی جدت، طبع کی جودت، واہمہ کی قوت، خیال کی وسعت، تصور کی رفعت، فکر کی نزاکت سے کام لیا، مگر دل و دماغ کی قوتیں، مصوّر قدرت کا ہیولیٰ قائم نہ کر سکیں، نظام عالم قائم رکھنے والی تمام قوتوں کو مخلوق پایا۔ وہم نے سب قوتوں کے مجموعہ کو واحد قدرت قرار دینا چاہا مگر عقل نے زبان روکی۔

مجموعہ کا درجہ اجزا کے وجود کے بعد ہے پھر جب سب قوتیں مخلوق ہیں تو مجموعہ اُن کا ضرور بالضرور مخلوق ہوا، مجبوراً ماننا پڑا کہ خالق وہ ہے جو ان سب قوتوں سے بالاتر ہے اور اس نظام سے الگ موجود ہے۔

وہ خالق ہے مجموعۂ عناصر خاک و باد، آب، آتش، کا۔ صانع ہے موالید ثلاثہ حیوانات، نباتات، جمادات کا، موجد ہے جان، قوت نامیہ، قوت جاذبہ کا۔ اُسی سے وجود میں آئی ہے ساری کائنات، پائے ہیں سب نے ضرورتیں رفع کرنے کے لیے مناسب اعضاء مہیا ہوگیا ہے ہر ایک کے لیے سامانِ غذا جس سے اُس کی زندگی کی بقا ہے۔ اسی لیے اُسے رحیم و کریم اور رزاق کہا جاتا ہے وہ ہرگز کسی جزو کا کل نہیں ہے۔ نہیں تو درجہ میں اجزاء کے بعد ہوتا بلکہ جزو و کل ہر ایک کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بے ہمتا ہے۔ اس لیے واحد کہتے ہیں۔ ورنہ واحد بھی نہیں، وہ احد یعنی اکیلا ہے جو شمار میں نہیں آتا۔ گنتی میں نہیں سماتا۔ وہ پاک و پاکیزہ جسم سے منزہ ہے جس کو فنا نہیں، تغیر نہیں، تبدل نہیں، اُس کی قدرت کے کرشمے صریحاً آنکھ سے دیکھ رہے ہیں پھر بھی وہ خود غائب ہے۔

وہ سب پر حاوی، ہر شے میں دخیل ہے، اس لیے حاضر کہہ سکتے ہیں۔ صحن عالم میں مخلوق کا اژدہام دیکھا۔ خلا کو خلقت سے مملو پایا، خلاق تسلیم کر لیا۔

کائنات کے ذرہ ذرہ میں حکمت سے عادل مانا۔ قادر، حاضر، دانا، خلاق او عادل سب عقل سے تسلیم کیا۔ پھر بھی عقل بتلاتی ہے کہ اُس کی ذات۔ نری کھری ذات ہی ہے۔ صفات اُس سے الگ نہیں۔

عقل کی سمجھی کامل ذات کو لفظوں سے سمجھانے بیٹھے تو یہ اور ان کے سوا اور بہت صفتیں بن گئیں۔ سب صفتیں حقیقت کے اعتبار سے ٹھیک ہیں کیونکہ کمال کے بہت سے پہلوؤں کو الفاظ میں ادا کرنے والی ہیں۔ مگر حاشا اُن کے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے اُنہیں صفت نہ سمجھو۔ صفت تو وہی ہے جو ذات سے الگ ہو۔

خالق میں ذات اور صفات کا تفرقہ کہاں۔ اُس کی لامحدود، کامل ذات کی تعبیر نے ہجوم صفات کی شکل اختیار کی۔

جب قادر اور حکیم ہے تو مہربانی کے موقع پر رحیم، مستحق کے محل پر قہار بھی ضرور ہے۔ مہربانی کے نتیجہ میں ستار اور غفار بھی، رزاق بھی ہے۔ دانا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے سُننے کی چیز ہو یا دیکھنے کی۔ اس لحاظ سے سمیع و بصیر ہے۔ کلام کا خالق ہے۔ اِسی لیے متکلم

ہے یہ سب باتیں لفظ نہیں، معنیٰ ہیں جو عقل نے سوچے اور اُن کے لیے قریب تر الفاظ مقرر کیے ہیں۔

لفظوں کے ظاہری معنیٰ پر جاکر اعتراض ہی کرنا چاہو تو قادر، حاضر، دانا، خلّاق اور عادل بھی نہ کہو کیونکہ یہ سب مفہوم کے اعتبار سے صفت ہیں اور اُس کی ذات صفات سے بری۔ لیکن اگر حقیقت طلبی چاہتے ہو اور نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے سمجھانے کے لیے ان الفاظ کا استعمال کرتے ہو تو معنیٰ پر غور کرو اُس کمال کے نتیجہ کو دیکھو جو صفت میں مضمر ہے۔ اُس نقص پر نہ جاؤ جو اُس کے ظاہری مفہوم میں مضمر ہے۔ رحیم کہو اس اعتبار سے کہ اُس سے اچھے اچھے "فائدے" خلق کو حاصل ہوتے ہیں۔ جذبات کا خیال ہرگز دل میں نہ لاؤ۔ قہار کہو اس لحاظ سے کہ عدالت کے تقاضا سے بہت سوں پر اُس کی جانب سے سختی بھی ہوتی ہے۔ غصّہ اور غضب کی انفعالی کیفیت کا تو وہم نہ کرو۔

سُننے دیکھنے کے معنیٰ فقط یہ سمجھو کہ دیکھنے سُننے کی چیزیں اُس کے علم میں ہیں اعضاء کا دھیان نہ لاؤ۔ متکلم بھی اس لحاظ سے ہے کہ کلام کو جہاں چاہے پیدا کرتا ہے مگر کام و دہان کا تصور ذہن سے دُور رکھو کیونکہ وہ جسم سے مبرّا ہے۔ انسانوں کی طرح بولنا سُننا اُس کی شان سے دُور ہے۔ حضرت موسیٰ جس کلام کو سُنتے تھے وہ بھی اللہ کا مخلوق ہے۔ اور قرآن بھی اُس کا پیدا کیا ہوا ایک کلام ہے۔ دانائی کے لحاظ سے ہر بات کو سُنتا دیکھتا ہے۔ قوی کے مقابل میں ضعیف کو پامال ہوتے بھی دیکھتا ہے۔ اور اپنی حکمت و عدالت سے اُس کی پاداش مقرر کرتا ہے۔ اُس کے بندے جو اُس کے ناظر ہونے کے دل سے قائل ہیں۔ ہرگز دیدہ و دانستہ بدافعالیوں کی جسارت نہیں کرتے۔ بداعمالیوں کی جرأت مطلق نہیں ہوتی۔

قیامت کا اعتقاد، عدالت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب بے دیکھے خدا کو عقل سے پہچانا اور اُس کو عادل عقل سے مانا تو قیامت کا بھی عقل کے کہنے سے اقرار کیا۔

سوچا سمجھا جانا پہچانا مرکز ہے اس لیے عقل کو اُس کے گرد "چکر" ضرور ہے۔

وہم کی وسوسہ انگیزیاں ہیں جن سے ایک راز کی بے شمار دلیلیں، ایک واقعہ کی کثرت سے داستانیں، ایک منزل کے بیحد راستے، ایک نشان کے صدہا نام، ایک نور کی لاانتہا جو تیں

ہو گئیں۔

اس معنی سے کہ وہ کسی کے مانند نہیں کہو کہ خدا کوئی شے نہیں بے شک صحیح ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں لاریب درست ہے۔ مگر خدا نہیں ہے، بخدا یہ غلط ہے۔

کیا خدائی کے ہوتے بھی خدا نہیں ہے، خلقت کے ہوتے بھی خالق نہیں ہے صنعت کو دیکھتے بھی صانع نہیں ہے۔ موجودات کے ہوتے بھی اس کا وجود نہ مانو گے۔ پھر کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہم کسی علیحدہ وجود کے مقر نہیں۔ عقل کی تسلی کے لیے دنیا کو غور سے دیکھو!

اُس کا وجود علیحدہ یعنی مستقل ہے۔ اس کی شہادت کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے، اس کی تصدیق بدن کا رویاں رویاں کر رہا ہے۔ اس کی گواہی عناصر اربعہ کی ترتیب دے رہی ہے۔ مخلوق کے اعضا کی ترکیب دے رہی ہے۔ موالید ثلاثہ کی تخلیق دے رہی ہے۔ قدرت کو فطرت کی صورتوں میں دیکھو۔ خالق کا نشان خلقت کی شکلوں سے پہچانو، وہی ہے کمال بخش عقل، وہی ہے سراسر عدل، اُس کی قدرت آشکار ہے ذرہ ذرہ میں، موالید ثلاثہ میں، مجموعہ عناصر میں۔ حواس خمسہ میں، سات طبق زمین، نہ افلاک میں، اُس کا جلوہ ہے، آفتاب کی ضیا، ذرہ کی ضو میں، وہی ہے پیدا کرنے والا کشش کا مرکز میں، وہی ہے خزانہ دار عقل کا۔ وہی ہے قوت کا ماخذ، وہی ہے روح کا موجد، اُسی کی کشش ہے دل میں، اُسی سے عقل ہے دماغ میں، اُسی سے قوت ہے اعضا میں، اُسی سے روح ہے بدن میں، اُسی سے کائنات کی ہر شے، شے ہے اور ہر ایک میں ایک حد کا کمال ہے۔ وہ عرش سے بالا، جان سے نزدیک ہے۔ وہ قریب سے قریب تر، دُور سے دُور تر ہے۔

دُور کیوں جاؤ، خود کو دیکھو خدا کو پہچانو، آپ میں ہو تو آپ میں دیکھو، کاوش تحقیق اپنے ہی میں خدا کا نشان پا رہی ہے۔ اپنے ہی جسم کے اعضاء کی ترتیب پر غور کرنے سے خدا سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ عقل، منشا، ارادہ، صناعی، دانائی، سب خداوندی قدرت کے پرتو ہیں۔ جو تمہارے رونگیں رونگیں جوڑ جوڑ سے معلوم ہو رہے ہیں کائنات کی ہر شے میں اُس کی قدرت کا نشان ہے۔ مگر وہ خود کسی شے میں نہیں ہے۔ کسی جگہ پر نہیں ہے۔ کسی خلوت، جلوت، کشمکش، ہنگامے، چہل پہل گھما گھمی، ہجوم، جھگھٹے، انبوہ، جرگے، گروہ، جماعت، اژدہام، غول، جم غفیر میں اس کی ہستی

شامل نہیں۔

وید، بھاگوت، اور پران، توریت، انجیل، زبور اور فرقان سب اُس کے ثنا خواں ہیں۔ دیر وحرم میں اُس کی یاد، دین اور دھرم میں اُس کے گیان ہیں، عرب میں رب، عجم میں خدا انڈیا میں پرمیشر، یورپ میں گاڈ، اس کے مختلف نام اور نشان ہیں۔ صبح کی نوبت، شام کا نقارہ، موذن کی اذان، سنکھ کی آواز، ناقوس کی صدا، گرجا کا گھڑیال سب اس کی عظمت کے اعلان ہیں جن میں کچھ دلوں کے بنائے اور کوئی اُس کا فرمان ہے۔

کائنات کی لامحدود وسعت میں ڈھونڈھو، اُس کا دیدار کہیں نصیب نہیں، افلاک کی بلندی اور طبقات الارض کی پستی سے اُسے یکساں نسبت ہے۔ قطبین کا قیام، زمین و آسماں کی گردش، مہر و ماہ کا طلوع و غروب، عروج و زوال فضائے بسیط کے ستارے اور سیارے، دریا کی روانی، موجوں کی اُچھل کود۔ ہوا کے جھونکے، پانی کے تھپیڑے، صحرا کی ویرانی، دشت کا سناٹا۔ بہار کی تازگی، خزاں کی اُداسی، سمندر کے شور، پہاڑوں کی خاموشی سے پوچھو۔ سب اُس کا کلمہ پڑھتے ہیں، سُننے والا کان چاہیئے، بجلی کی لپک، سورج کی چمک میں دیکھو۔ سب میں اُس کی قدرت کا نور ہے۔ دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔

آفتاب دور دراز فاصلہ سے چمکتا ہوا سنہری گولہ ہے۔ ظاہر میں روشنی کا مخرج، باطن میں حرارت کا مخزن۔ حقیقت میں ثوابت اور سیاروں کی کشش کا مرکز ہے۔

ہم نے نظام عالم میں اسی کو کارفرما پایا جو کچھ پایا اسی کی گرمی سے، جو کچھ دیکھا اُسی کی روشنی سے۔ خلقت بھر سے فائق پایا۔ اپنا خالق، موجودات کا خلاق کائنات کا آفریدگار ماننا چاہا مگر عقل نے بتایا کہ جو نکلتا ڈوبتا رہے جو ظاہر ہوتا چھپتا رہے۔ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ سامنے آجانے سے پردہ فاش ہو گیا وہ بات وہ شان، وہ عظمت تشریف لے گئی۔ صانع کی صنعت، خالق کی خلقت ہو گیا۔ یہ خود آرا نہیں، خود آیا نہیں، خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔

اُس کی درخشانی کے باعث اس کے جسم کے اجزا ہیں، اجزا کو کیمیائی ترکیب دینے والے قدرت کے اسباب ہیں۔

محیط عالم، قدرت کا معائنہ، لامحدود کائنات کا مشاہدہ بے شمار موجودات کی ترتیب

کا سلیقہ ایک دانشمند ہستی کے وجود کا یقین دلا رہا ہے۔ مگر مشاہدہ اُس تک پہنچتا نہیں۔ تصور کوئی صورت بناتا نہیں، خیال پیش نہیں کرتا، حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں ہوتا۔ اینتھر سے باہر، عناصر سے بالاتر ہے، دکھلانے کو اشارہ، بتانے کو لفظیں نایاب ہیں۔

البتہ عقل کی نکتہ رسی پر صد ہزار آفریں۔ جس نے مخلوق سے الگ کر کے اُسے بتا دیا کہ قادر ہے، حاضر ہے، دانا ہے، خلاق اور عادل ہے، اور کامل بلکہ سراسر کمال ہے۔ اور اسی کے ماتحت وہ سب کچھ ہے جسے عقل کمال کے تحت میں داخل کرے بشرطیکہ اُس میں نقص کا شائبہ بھی نہ ہو۔

عقل رکھتے ہوئے اگر مان لو تو تعجب نہیں مگر نہ مانو تو سخت تعجب ہے جب کہ عالم کے ذرّہ ذرّہ میں اُس کی قدرت کا جلوہ نمایاں ہے۔

رسُولؑ

رسول بھی مذہبی وہی ہے جو کہ عقلی ہے۔ تفرقہ کرنا اپنی عقل کی کوتاہی ہے۔

نبی اور رسول اصطلاحی لفظیں۔ لغت کے اعتبار سے مجاز، اصطلاح کے لحاظ سے حقیقت ہیں۔

نبی کے معنی خبر دینے والا، یعنی اُن حقیقتوں کا بتلانے والا جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پیشین گوئی اور غیب کی خبر دینی، اس کی حقیقت کا جزو نہیں ہے بلکہ نبی کی تصدیق کے لیے بطور اعجاز ایک خارجی صفت ہے۔ رسول کے معنی فرستادہ، خدا کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ مگر معنی کی حقیقت میں محل کے اختلاف سے تبدیلی ہوتی ہے۔ بھیجنے کا تعلق کسی مادی ہستی کے ساتھ ہو تو وہ بھیجنا بھی مادی ہو گا یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا لازم ہو گا لیکن جب غیر مادی ذات یا غیر مادی چیز کے ساتھ اُس کا تعلق ہو تو بھیجنے والے کا مقام، قیام اور جسم کچھ بھی درکار نہیں۔ اس کے معنی ہیں صرف یہ کہ خدا کی مرضی اور حکم کی بناء پر کوئی اصلاحِ خلق اور دُنیا کو سچائی کے تعلیمات پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

وہ ظاہر و باطن ہر طرح انسان ہوتے ہیں مگر عامۂ بشر سے مافوق۔ مافوق البشر نہیں

بلکہ بلند مرتبہ والے بشر۔ نور سے خلقت کا ہونا ایک مجازی تعبیر ہے صفائے نفس اور کمال عقل کی۔

فضائل اور مناقب کی حدیثیں جو محمد وآل محمدؐ کے لیے وارد ہوئی ہیں انہیں رسالت و نبوت کے عمومی عقائد میں داخل کرنا ہرگز درست نہیں۔ نبیوں کی فہرست طولانی ہے۔ سب کے لیے کس نے کہا ہے اور کب کہ تمام مخلوق وملائکہ سے پہلے خلق کیے گئے ہیں یا خدا نے اپنے ہی نور سے خلق فرمایا ہے۔ یا ان ہی کی خاطر سب چیزوں کو خلق کیا ہے۔ یا یہاں سے سُننے سمجھنے، دیکھنے رہتے آسمان پر جایا کرتے ہیں۔

خداوند عالم کی خصوصی تعلیم جو انبیاء تک پہنچتی ہے اُسی کا نام وحی ہے۔ بیشک بعض انبیاء کو کتاب بھی عطا ہوئی۔

روحانی حیثیت کے سفیر کا پیام وسلام پہنچانا بھی عقل کے نزدیک لائق انکار نہیں ہے۔ کارخانۂ قدرت کو بے شک بخوبی دیکھا بھالا، غور کیا اور سمجھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معرفت اُن کی ناقص ہوتی۔ دوسروں کی تکمیل وتربیت کس طرح کرتے اکثر رموز الٰہی سے واقف بھی کیے جاتے ہیں مگر دونوں جہان کا مالک سوائے اللہ کے کوئی نہیں، سب طرح کی قوت سوائے اُس کے کسی کو نہیں۔ وہ جتنے اختیارات جس کو دیدے۔ جتنی قوت جس کو عطا کردے اتنی اُس کو ہے۔ اسی قوت سے انبیاء کام لیتے ہیں۔ اس قوت کا درجہ بھی مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔ نظام عالم کبھی ٹوٹتا نہیں۔ مگر عام معمول اور ظاہری دستور کا انتظام کبھی کبھی اُن کے ہاتھوں خدا توڑ بھی دیتا ہے۔ دنیا میں ہر زمانہ میں بہت سے واقعات عام دستور کے خلاف ہوتے رہتے ہیں اور نظام عادت اکثر ٹوٹتا رہتا ہے۔ مگر یہی خلاف دستور وعادت امر جب نبی کے دعوے کے مطابق، اُس کے قول کے ثبوت میں ہو جاتا ہے تو معجزہ کہلاتا ہے۔

وفات پانے کے بعد مادی زندگی انبیاء کے لیے بھی ثابت نہیں، ہاں روح جتنی کامل ہو اُس کے ادراکات اُتنے قوی اور کامل ہوں گے۔ ان معنوں سے اُن کو روحانی زندگی حاصل ہے۔ اور اُن کا ذریعہ خدا کی بارگاہ میں کارآمد ہے۔

فطرت الٰہی سے نہیں بلکہ اکثر نقائص مادی سے اپنے عقلی وروحانی کمال کی بدولت بری ہیں۔

گناہوں سے بالکل معصوم، غلطی سے بے شک بری ہیں۔ نہیں تو اُن کا قول و فعل تمام خلق کے لیے سند نہیں ہو سکتا۔

یہ ہیں انبیاء کے عمومی صفات، اس کے علاوہ بہت باتیں خاص خاص انبیاء کے مناقب کی ہیں۔ جو منقول طور پر بتلائی گئی ہیں اور عقل اُن کے انکار کا کوئی خاص سبب نہیں پاتی۔

سختی کے وقت ملائکہ کا مدد کو آنا۔ قیامت میں بخشوانا۔ شفیع روز محشر۔ خاتم المرسلین اور اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی اوصاف و مناقب ہیں محال (عقلی) کا ممکن بنانا ہرگز کسی نبی و رسول کا کام نہیں۔ بلکہ محالات سے تو خدا کی قدرت بھی متعلق نہیں ہوتی۔

آنحضرتؐ عملی طور سے اصلاحِ خلق کا کام اور رسالت کے فرائض ابتدائے عمر سے انجام دے رہے تھے۔ جب چالیس برس تک اپنے عقلی اور عملی کمال کو قوم سے منوالیا تو آوازِ غیبی سے زبانی دعوائے رسالت پر مامور ہوئے۔

واہمہ خلاق اُس کا ہوتا ہے جس کی عقل ناقص ہو اور مالیخولیا یا خبط میں مبتلا ہو لیکن وہ انسان جس کے کمال عقل کی گواہی واقعات، حالات اور اُس کے حکیمانہ تعلیمات نے دیدی ہو وہ اس خبط میں کبھی مبتلا نہیں ہو سکتا۔ وہ آواز سُنے گا تو حقیقت ہو گی۔ خواہ وہ صدا فلک کی ہو یا ملک کی بہر حال اصلیت رکھے گی۔

بشر ہونے میں آپ کے کوئی شک نہیں۔

آپ خود فرماتے تھے کہ انا بشر مثلکم۔ اگر بشر نہ ہوتے تو عالم بشری کے لیے نمونہ کیسے بنتے مگر بشر ایسے تھے جو کمال بشری کا نمونہ بن سکے۔ ذاتی طور پر غیب دان کوئی رسول نہیں تھا۔ مگر خداوندی تعلیم ہے۔ آپ نے غیب کی خبریں ضرور دیں۔ پارہ ۲۱ سُورہ روم آیت۔ ۱ ۔

۲۸۔ مقام پر قرآن میں موجود ہے کہ آپ کو معجزہ عطا ہوا۔

وحی ذہنی تصور کا نام نہیں ہوتا۔ ورنہ ہر مالیخولیائی اور خبطی وحی کا مرکز سمجھا جائے بلکہ وحی

نام ہے خداوندی پیغام کا خواہ بذریعہ ملک ہو یا صدائے غیب سے،

فرشتہ کو یہ ضروری نہیں کہ عام انسانی مشاہدہ میں آئے مگر رسول کے پاس فرشتہ کا آنا قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہے۔

خدا دکھائی نہیں دے سکتا اس لیے سورۂ والنجم میں بھی جبرئیل ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

صدائے غیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی جسم میں پیدا ہو اس لیے اللہ جب چاہے جہاں چاہے اُسے خلق کر سکتا ہے۔

نبی کی ضرورت اُس وقت ہوتی جب شریعت محدود مدت تک کے ضروریات کو پیش نظر رکھ کر جاری کی گئی ہوتی لیکن جب نوع انسانی کی تعلیم کا نصاب آخری درجہ تک پہنچا۔ تو شریعت ایسی بھیجی گئی جس کے قواعد و ضوابط سے ہر زمانہ کے ضروریات میں رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسی شریعت کے پہنچا دینے کے بعد کسی پیغام لانے والے معلم کی ضرورت باقی نہیں رہی اور جس کے ہاتھوں یہ کامل شریعت آئی وہ آخری پیغمبر ہوا۔

یہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ افراد کے عمل نہ کرنے اور منحرف ہونے سے اور اس طرح خلق کے گمراہ ہونے سے شریعت و رسول کی ضرورت پیدا نہیں ہوا کرتی۔ ورنہ بہت سے انبیاء وہ تھے جن کے زمانہ میں فیصدی ۹۹ آدمی گمراہ تھے اور ایک آدمی راہ راست پر تھا۔ خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور اس کے بعد کسی وقت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حق پرستوں کی تعداد گمراہوں سے بڑھ جائے۔ پھر اس سبب سے اگر آج کسی رسول کی ضرورت پیدا ہو تو اُس کے بہت پہلے یہ ضرورت پیدا ہو چکی اور خود آنحضرتؐ کی موجودگی میں اور رسول کی بعثت ہونا چاہیئے تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی بعثت کا یہ سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سبب ہوتا ہے کہ گزشتہ شریعت کے تعلیمات جتنی مدت کے حالات کے لحاظ سے بھیجے گئے تھے وہ میعاد ختم ہو گئی اس لیے دوسرا رسول بھیجا جاتا ہے۔ اب اگر کسی رسول کے تعلیمات کو بغیر کسی مقررہ میعاد کے ہمیشہ کے لیے جاری کیا گیا ہو تو اُس کے بعد کسی رسول کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ ہر دین اپنے اپنے وقت کے مصالح کے لحاظ سے کامل ضرور تھا مگر بلا استثناء کامل دین وہی ہے جس کے

بعد دوسرے دین کی ضرورت باقی نہ رہے۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۴ میں پیغمبرؐ کو مخاطب کر کے نہیں کہا گیا ہے کہ تمہارا دین کامل ہوا یا تم پر نعمتیں تمام کی گئیں بلکہ نوع بشر کو مخاطب کر کے یہ ارشاد ہوا ہے اس لیے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ دین کامل ہوا ہے تو آنحضرتؐ کا۔ نعمتیں تمام کی گئی ہیں۔ تو آنحضرتؐ پر، بلکہ دین کامل ہوا تو تمام خلق کا اور نعمتیں تمام ہوئیں تو نوع بشر پر اس لیے نہ اس دین کے بعد کوئی دین، اور نہ اس نعمت سے مکمل تر اس کے بعد کوئی نعمت۔ یہی ایک نعمت تا ابد تمام دنیا کے لیے ہے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا تا ابد نعمتوں سے محروم ہو گئی۔

پارہ ۸ سورہ اعراف آیت ۳۵۔

یا بنی آدم اما یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی کا یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کہ "اے اولاد آدمؑ تمہارے پاس تمہارے ہی ہم جنس رسول ضرور آئیں گے جو میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائیں گے۔"

آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اولاد آدمؑ اگر آئیں تمہارے پاس تمہارے ہم جنس رسول جو میری آیتیں پڑھ کر سنائیں تو جو شخص پرہیز گاری اختیار کرے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے تو وہ محزون نہ ہو گا۔

اس میں ایک عام اصول کا اعلان کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا رسولؐ جو آیا ہے اس پر اگر ایمان لاؤ گے تو نجات پاؤ گے لیکن اب اس کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے یا نہیں، اس کا یہاں پر کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسری آیت میں بتلا دیا ہے کہ اس رسولؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔

اب اس آیت کی برکت سے نہ مرزا غلام احمد صاحب کا رسول بنایا جانا درست ہے۔ نہ آئندہ اس آیت کے رو سے لوگ رسول بن سکتے ہیں۔ اس کے انسداد کے لیے قرآن کا فرمان کہ (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) اور یہ اعلان کہ (اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کافی ہے۔

اشرف الانبیاءؑ

ہمارے رسولؐ حضرت خاتم النبیین کثرت فضائل وخصوصیات کے لحاظ سے تمام انبیاء میں اشرف وبہتر ہیں۔ گزشتہ انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ سب سے آخر میں تھے۔ جن کی ماننے والی ایک بڑی اُمّت موجود ہے اُن کی فضیلت کے متعلق حسب ذیل خصوصیات کا توہّم ہوتا ہے مگر وہ توہّم صحیح نہیں ہے۔

(۱) عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ خدا کی جان وروح ہیں بلکہ اُن کی روح کو مقام شرف میں اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے یہ حضرت عیسیٰؑ سے کیا مخصوص ہے بلکہ سلسلہ انبیاء میں جو سب سے پہلی فرد تھے حضرت آدم جو اولوالعزم بھی نہیں ہیں اُن کے متعلق کہا ہے۔ فاذا نفخت فیہ من روحی۔

اس کے برخلاف ہمارے حضرت کا خود روح ہونا کیسا آپ منزل روح تھے جیسا کہ ارشاد ہوا۔ ولقد ارسلنا الیک روحا من امرنا۔

اور دوسری جگہ ،، تنزل الملائکۃ والروح۔

(۲) حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے مگر حضرت آدم تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے یہ سبب فضیلت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سب کے نزدیک افضل ہیں مگر وہ بھی ماں باپ دونوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کو ذاتی شرافت سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عیسیٰؑ کی والدہ روح اللہ سے حاملہ ہوئیں۔ فرشتہ مریمؑ کو بشارت دینے آیا اور امر الٰہی کے اجراء کا ذریعہ ہوا اس سے یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں کہ جس طرح بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اُس طرح عیسیٰؑ روح اللہ کی طرف منسوب ہیں۔

(۳) عیسیٰؑ کی والدہ صدیقہ ہیں اور انہیں خدا نے پاک فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں سے بڑھ کر برگزیدہ کیا مگر اس سے زیادہ خصوصیت ہمارے رسولؐ کو حاصل ہے کہ حضرت کی دختر صدیقہ، مطہرہ، اور مریم سے زیادہ علم وطہارت کی حامل ہے اور سیّدۃ نساء العالمین ہے۔

یہ خصوصیت عیسیٰؑ کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰؑ کا صرف بطن مادر سے پیدا ہونے کے بعد نبوت کا دعوے تھا اور ہمارے رسول نے فرمایا کہ میں عالم ارواح میں خصوصیات نبوت کا حامل تھا۔
کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔

(۵) أتانی الکتاب کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ عیسیٰؑ کی ولادت کے ساتھ کتاب دنیا میں آگئی تھی بلکہ اس سے مطلب صرف اتنا ہے کہ مجھ کو اُس نے کتاب عطا فرمانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہی صورت ہمارے پیغمبرؐ کے لیے ہے۔
عیسیٰؑ کی کتاب بطور اعجاز نہیں دی گئی تھی مگر ہمارے رسولؐ کی کتاب کو معجزہ قرار دیا گیا۔

(۶) عیسیٰؑ کو پیدا ہوتے ہی کلام کی ضرورت اس لیے آئی کہ اُن کی ماں کے دامن پر ایک بڑا شرمناک دھبا آ رہا تھا۔ ہمارے رسولؐ کے یہاں خدانخواستہ ایسے کسی الزام کی گنجائش نہ تھی۔

(۷) ہر نبی کو معجزہ اُس کے اہل زمانہ کے لحاظ سے عطا ہوتا ہے جس چیز میں کمال کا اُس زمانہ والوں کو ادعا ہو۔
عیسیٰؑ کو معجزے عطا ہوئے تھے جسمانی اس لحاظ سے کہ اُس زمانہ میں فن طب کا زور تھا مگر ہمارے رسولؐ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت اور کلام و بیان کا دور دورہ تھا اس لیے ان کو معجزہ اس طرح کا عطا ہوا۔
عیسیٰؑ کے معجزات فانی تھے مگر ہمارے رسولؐ کا معجزہ باقی ہے۔ اور ہر زمانہ میں رسولؐ کی سچائی ثابت کرنے کو کافی ہے۔

(۸) یہ بالکل غلط ہے کہ آنحضرتؐ کو معجزے نہیں دیئے گئے آپ کو بھی معجزات عطا ہوئے جن کے متعلق آیات قرآنی کا حوالہ آئندہ آئے گا۔

(۹) مصائب اُٹھانا خاصان خدا کا شیوہ ہے مگر حضرت عیسیٰؑ کو سولی سے بچانے کا سبب یہ تھا کہ موسوی جماعت میں یہ بات مقرر تھی کہ جو سولی پر چڑھایا جائے گا وہ ملعون ہوگا،

حضرت عیسیٰؑ کو سولی سے بچایا گیا تاکہ اُن کی روحانی عظمت پر حرف نہ آئے یونہی حضرت رسولؐ کی سچائی کے اظہار کے موقع پر چونکہ قرآن میں ارشاد ہوا تھا کہ لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین اس لیے آنحضرتؐ کو خود شہادت ظاہری نہیں عطا ہوئی اور آپ کو قتل سے محفوظ رکھا گیا اور شب ہجرت قتل سے آپ کی حفاظت ہوئی جس طرح عیسیٰؑ کی حفاظت سولی پر چڑھنے سے کی گئی۔

(۱۰) حضرت عیسیٰؑ کی یہ خصوصیت کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہ بچے گا مگر یہ کہ مرنے سے پہلے عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لائے گا۔ اس سے بہتر خصوصیت ہمارے رسولؐ کے لیے ہے کہ آخر میں آپ کا دین سب پر غالب آئے گا (لیظھرہ علی الدین کلہ) اور آپ کے اتباع خلافت فی الارض کے مالک ہوں گے۔
(وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض)

(۱۱) عیسیٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا۔ اتینا عیسی بن مریم البینات وایدناہ بروح القدس تو ہمارے رسولؐ کے لیے بھی ارشاد ہوا۔ وقد اتیناک من لدنا ذکرا اور آپ کے اتباع کی امداد کثیر التعداد۔ ملائکہ سے ہوئی (وایدہ بجنود لم تروھا)۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ)۔

(۱۲) حضرت عیسیٰؑ آسمان پر گئے اور ہمارے پیغمبرؐ منزل قاب قوسین او ادنیٰ پر تشریف لے گئے۔

(۱۳) عیسیٰؑ ابھی تک زندہ ہیں تو یہ خصوصیت ہمارے رسولؐ کے بارھویں جانشین حضرت مہدی موعودؑ کو عطا ہوئی کہ انہیں اب تک حیات حاصل ہے۔

(۱۴) حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کو غالب رکھنے کا وعدہ ہوا اور ہمارے پیغمبرؐ کے دین کے غالب رہنے اور آپ کی جماعت کے بلند رہنے اور بلا شرکت غیرے اللہ کی عبادت اطمینان سے کرتے رہنے کا صاف وعدہ ہوا۔

(۱۵) معجزات تمام انبیاء کو وقتی دیئے گئے۔ اسی میں عیسیٰؑ بھی داخل ہیں اور ہمارے پیغمبرؐ کو معجزہ

دائمی عطا ہوا۔ یہ خصوصیت کسی نبی کو حاصل نہیں ہے۔

روایتی اور تاریخی واقعات

(۱۶) حضرت عیسیٰؑ باوجودیکہ تبلیغ میں گھومتے پھرتے رہے مگر آپ پر ایمان لانے والے صرف چند نفر ماہی گیر تھے مگر حضرت رسولؐ پر ایمان لانے والے آپ کی زندگی میں ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچے۔

(۱۷) حضرت عیسیٰؑ کو اتنا اقتدار کبھی حاصل ہی نہ ہوا کہ ملک و مال حاصل ہوتا اور حضرت محمد مصطفٰےؐ نے اس اقتدار کے باوجود فقیرانہ شان سے زندگی بسر کی۔

(۱۸) عیسیٰؑ کو اتنی قوت نہیں حاصل ہوئی کہ وہ تلوار اٹھاتے پھر بھی انہوں نے اپنے ساتھ والوں کو تلوار رکھنے کی تاکید کی۔ آنحضرتؐ نے باوجود قوت شمشیر زنی اور جنگ کرنے کے پھر بھی رحم و کرم کی وہ مثالیں پیش کیں جو انسانیت کے لیے سبق آموز ہیں۔

(۱۹) حضرت عیسیٰؑ عورتوں سے علیحدہ رہے اور شادی نہیں کی، اس طرح اُن کی زندگی خلق خدا کے لیے مثال بننے سے قاصر رہی مگر ہمارے رسولؐ نے تعلقات دنیا قائم رکھنے کے ساتھ پھر بھی روحانی فرائض کو مکمل طور پر انجام دیا اس طرح تعمیرِ انسانیت کی مثال پیش کی۔

(۲۰) حضرت عیسیٰؑ کے معجزے جو مفاد عامہ کے تھے وہ خاص خاص افراد سے متعلق ہوتے تھے اور جسمانی بیماریوں سے متعلق تھے اور ہمارے رسولؐ کا معجزہ قرآن جو مفاد عامہ کے لیے ہے وہ تمام خلق کے واسطے ہے اور انسانیت و روحانیت کے کمال کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ وجوہ سے اشرف الانبیاء ہمارے رسول حضرت محمد مصطفٰےؐ ثابت ہوتے ہیں۔

کتاب

بے شک تخمیناً ۲۵ کروڑ زندہ مسلمان مقر ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے کتاب خود بھی اسے بتا رہی ہے۔ مگر کلام اللہ کے یہ معنی سمجھنا بالکل غلط ہے کہ وہ اُس کے زبان ودہن سے نکلا ہوا ہے۔ وہ تو جسم و جسمانیات سے بری ہے پہلے بھی کہا جا چکا اور پھر سُنیے اور سمجھیے کہ کلام اللہ کے معنی ہیں خدا کا اپنے ارادۂ خاص سے خلق کیا ہوا کلام خواہ کسی درخت میں یا فضا میں یا فرشتے کی زبان پر یا رسول کے قلب و دماغ میں۔ اسی کا نام کلام اللہ ہے۔ یہ کہنا کہ "بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں بانیؑ اسلام کے ارشادات کو قریش کی فصیح تر زبان میں اپنے طریق پر مرتب کیا ہے"، ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس میں بس اتنا جزو درست ہے کہ اس کتاب (قرآن) کے اجزاء (سوروں) کی ترتیب بنی امیہ کے پہلے حکمران خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان نے اپنے زمانہ میں دلوائی ہے۔ مگر الفاظ قرآن اور متن آیات میں بنی امیہ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ وہ قریش کی فصیح ترین زبان میں آیا تو رسولؐ کے دل و زبان ہی پر آیا۔ اُن ہی الفاظ کا مجموعہ آیاتِ قرآن کی صورت میں محفوظ تھا جسے پہلے خلیفۂ اول ابوبکر ابن ابی قحافہ نے سوروں کی شکل میں ترتیب دلایا۔ پھر خلیفۂ ثالث عثمان نے اپنے وقت میں سوروں کو مرتب کر کے کتاب کی شکل میں پھیلایا۔

آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کوئی بات کلام الٰہی میں نہیں ہو سکتی۔ یہ معقول مگر آئینِ فطرت اور قانونِ قدرت سے مراد ہمارے محدود مشاہدات اور مختصر تجربات ہرگز نہیں ہو سکتے۔

ہزاروں مثالیں ایسی ہم نے دیکھی اور سُنی ہیں جو ہمارے عام مشاہدوں کے خلاف ہیں۔

پھر ہم کسی ایسی بات کو جو صرف ہمارے تجربہ و مشاہدہ کی دنیا سے باہر ہو آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

خالق خود ہی ہمارے حدود مشاہدہ سے بالاتر ہے تو اُس کی طرف کی روحانی بات چیت

کو ہم مادّی لباس پہنائیں ہی کیوں جو ہمیں سمجھنے میں دشواری ہو۔ معاہدہ ہے اور گفتگو جس میں ایک فریق ہے خالق اور دوسرا فریق مادّہ سے بے نیاز روحیں تو یہاں کی گفتگو کو کانوں سے سُنی جانے والی گفتگو سمجھنا عقل و دانش کا ثبوت نہیں ہے۔ وہ صلاحیتوں اور ارواح کے روحانی جوہروں کی زبان تھی جو خالق کی ربوبیت کی اقراری تھی۔ اب مادہ کی کثافتوں میں گرفتار رہ کر کتنے ہیں جو اُس معاہدہ و اقرار سے دور ہو جاتے ہیں اور اُسے فراموش کرتے ہیں یعنی اپنی روحانی صلاحیتوں کو دبا کر خدا سے الگ ہو جاتے اور اس طرح اپنی روح کے معاہدہ کو بھول جاتے ہیں۔

کچھ وہ ہیں جو مادّی طاقتوں کو مغلوب رکھتے ہوئے اپنی روحانیت کی زندگی کو برقرار رکھتے خالق اور اُس کی طرف کے متعلقہ فرائض کا احساس رکھتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے اُس معاہدہ کو یاد رکھا ہے اور اُسے ہرگز فراموش نہیں کیا ہے۔

اب بتائیے کہ اس میں آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کیا بات ہے۔

اسی طرح انسان کی خلافت عیسیٰؑ کی ولادت، اصحاب کہف کی نیند، یوسفؑ کا حُسن، سلیمانؑ کی قدرت، نوحؑ کا طول حیات، خضرؑ کی عمر جاودانی، جانوروں کی بات چیت، موسیٰؑ سے تکلم،

ان تمام باتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے خلاف کوئی عقلی دلیل قائم ہو زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ وہ غیر معمولی بات ہے جو عام طور سے نہیں ہوا کرتی۔

مگر ایسی غیر معمولی باتیں دنیا میں مختلف اسباب کی بنا پر ہوتی ہی رہتی ہیں کون کہہ سکتا تھا کہ آدمی ہوا پر اُڑیں گے۔ یہ گزشتہ ہزاروں صدیوں میں کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر یہ آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف تھا؟ اگر ایسا تھا تو آج یہ کیسے وجود میں آگیا۔ کس کے مشاہدہ میں آیا تھا کہ ہزاروں میل کی آواز اپنی جگہ پر بیٹھ کر سُن لی جائے مگر پھر بھی یہ قانونِ فطرت اور آئین قدرت کے خلاف نہ تھا نہیں تو آج آنکھوں کے سامنے نہ آتا۔

یہی صورت معجزات انبیاءؑ کی ہوتی ہے وہ عام مشاہدات سے باہر ضرور ہوتے ہیں مگر عقل کے خلاف نہیں ہوتے اس لیے اُنہیں قانونِ فطرت یا آئین قدرت کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے۔

مٹی سے بنائے پتلے کو ملائکہ سے سجدہ کرانا اُس منصب کی اہمیت دکھلانے کے لیے جس کے واسطے یہ خاکی نژاد انسان مقرر ہوا ہے نہ قانون قدرت کے خلاف ہے نہ آئین فطرت کے منافی۔

کتاب سے مراد وہ الفاظ قرآنی ہیں جو قلمبند ہونے پر بصورت کتاب مرتب ہوتے ہیں اس کے لیے خدا ورسولؐ کے لیے کتابت ثابت ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

امّت کے لیے چار نکاح عدالت کی شرط کے ساتھ اور وہ بڑی دشوار۔ پیغمبرؐ کی آزمائش کو سخت رکھا گیا۔ متعدد ازواج کی موجودگی ہیں نہ کسی کے حقوق میں کوتاہی نہ دوسرے فرائض میں فروگزاشت۔

یہ معمولی انسانوں کا کام نہیں ہو سکتا۔

نافرمانی پر آدمیوں کی شکل میں تبدیلی ہونا۔ مُردوں کا قدرت نمائی کے موقع پر زندہ کرنا۔ یہ سب وہ غیر معمولی مظاہرات ہیں جو کسی دلیل عقلی سے غیر ممکن الوقوع نہیں ہیں۔

یہ کس نے کہا کہ قہر الٰہی سے جو بستیاں اُجاڑی گئیں اُن میں معصوم بچّے موجود تھے اور وہ بھی اسی عذاب سے ہلاک ہوئے۔

بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب کے بہت پہلے سے اولاد کا سلسلہ قطع کر دیا جاتا تھا۔

کلام اللہ کے معنی کئی دفعہ دہرائے جا چکے اللہ کا خصوصی پیدا کیا ہوا کلام خواہ جسم میں ہو یا جان میں یہی وہ ہے جو خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

وہ سب کا رب ہے اور ہر ایک قوم کو نوازتا رہا ہے۔ سب سے آخر عرب کو نوازا کیونکہ اُن میں قومی عصبیت سب سے زیادہ تھی۔ کسی اور پر کلام اُترتا تو وہ مانتے نہیں ان کی اصلاح کے لیے اس کی ضرورت تھی کہ کلام اُن ہیں اُتارا جائے اُن کی زبان میں ہو۔ زبانیں سب اپنی اپنی قوم کی ایجاد ہیں۔ اگر خدا ان سب کو چھوڑ کر کسی نئی زبان میں اُتارتا۔ تب تو پھر کوئی بھی نہ سمجھتا۔ اسی لیے عرب میں جو سب سے فصیح زبان تھی حجاز کا لہجہ اور قریش کا محاورہ اُس کو منتخب کیا۔ یہ خدا کی نہیں۔ ہماری محتاجی ہے کہ ہماری زبان میں ہو تو ہم سمجھیں۔ اُسے دُنیا کے موجودہ نظام سے کام نکالنا

منظور تھا ضرورت کیا تھی کہ وہ زبان میں توڑ پھوڑ، دماغ انسانی میں تصرف کرے۔

وہ قادر ہر ممکن بات پر ہے۔ مگر ممکن ہر شے جو قدرت کا نتیجہ ہو حکمت کے مطابق تو نہیں ہوتی۔

یہ غلط ہے کہ جو چیز قدرت کی طرف سے ہے وہ بلا امتیاز خاص وعام، بلا تفریق ادنیٰ واعلیٰ بلا تخصیص انبیاء واوصیا، بلا استثنائے شخصے سب کے لیے برابر ہے۔

عقل، قوت طاقت، بلکہ خط وخال، قد وقامت، شکل شمائل سب قدرت کی طرف سے ہیں مگر برابر نہیں ہیں۔

مناظر قدرت، چاند کی چاندنی، آفتاب کی دھوپ، فضا میں آواز زبان پر ذائقہ، زہر کا اثر، اشیاء کی تاثیر، تکلیف وراحت کا احساس، تناسل کا قانون، تخلیق کے قاعدے، موت کے اسباب مختلف حالات کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔

خالق کے عطیے حواس خمسہ، قوت ناطقہ، جسم، روح، عناصر سب کے لیے ہیں مگر پھر بھی مختلف طبائع واشخاص میں مختلف ہیں۔ قدرت کے تحفے ہوا پانی، گرمی، سردی، برسات، دن، رات، چاند، سورج، تارے، زمین آسمان، سیارے سب کے لیے ہیں مگر خواص اور حالات الگ الگ ہیں قدرت کے عظیم الشان کارخانہ میں صلاحیتوں کے لحاظ سے تقسیم اور تفریق قائم ہے۔

بے شک اللہ کی جانب سے مذہب سب کا ایک ہے مگر مستفید ہونے میں اپنے عقل و عمل کی طاقتوں کے اختلاف سے تفرقہ ہے۔

خدا نے کتاب دی سب کو ایک مگر سمجھنے میں دماغ وذہن کی قوتوں کی تبدیلی سے امتیاز ہے۔

قدرت کے عطیے قوتوں کے بڑھنے کے ساتھ ترقی کرتے ہیں کوئی ضرورت نہیں کہ ایک ہی کتاب ابتدائے خلقت سے دی جائے۔ وہ دلچسپ ودل نشین ہے مگر اکثر میں سمجھنے کا قصور ہے۔

ہدایت خدا کی طرف سے ہے مگر اس سے اثر لینا ارادہ واختیار کے ساتھ وابستہ ہے۔ بے شک، اختیار کی طاقتیں داخل فطرت ہیں مگر خود اختیار ہی میں دونوں پہلوؤں کی گنجائش

ہے۔ مذہبی اصول میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔ نہ وہ قابل ترمیم ہی ہیں۔ یہ شریعت کے آئین ہوتے ہیں جن میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی و ترمیم ہوتی ہے۔

خدا تو دسب بندوں کی یکساں سمجھ میں کب آیا جو اُنکی کتاب سب بندگانِ الٰہی کی سمجھ میں یکساں آئی اور سب کو یکساں سمجھاتا۔ اصول میں تمام ہادی متفق القول ہیں۔ لیکن احکام ممنوعات، میراثی ترتیب تعزیری قوانین، مالی حقوق میں زمانہ کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے جو حکیمانہ نگاہ کا تقاضا ہے۔

ہدایت انسان کے لیے ہرگز غیر ارادی و اختیاری افعال کی طرح نہیں ہے جو خود بخود سرزد ہوں بلکہ انسان کے حُسن کارکردگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جزا و سزا بیکار ہوتی۔ تعریف و مذمت کا استحقاق نہ ہوتا۔

جس متحیر عقل کو قدرت کی لامحدود کائنات، خلقت کے اژدہام، ستاروں کے جھگھٹے سیاروں کے انبوہ میں محض ایک معمولی ستارہ دنیا، اور دنیا کی بے شمار مخلوق میں سے ایک ضعیف البیان انسان اور پیکر انسانی کے منجملہ تمام اعضاء کے آنکھ کی پتلی کے چھوٹے سے تل کی حقیقت اور اُس کے رموز و اسرار معلوم نہ ہوں یا جو آنکھ کرہ ارضی کے تین حصوں کو گھیرے ہوئے پانی کے ایک قطرہ میں ایکسو بیس طرح کی خلقت کے نظارہ سے لاکھوں برس محروم رہی ہو اور اب جدید سائنس کے آلات سے احساس کر سکی ہو، یا جس کی نظریں عالم کے نظام اور اجسام کی کشش میں ڈانوا ڈول رہی ہوں کبھی زمین کو مرکز مانیں اور کبھی سورج کو یا جو عناصر کے اعتدال اور ذرات کے امتزاج کے کیمیاوی طریقہ کو نہ سمجھ سکی ہوں اس لیے باوجود اجزاء کو سمجھ لینے کے پھر بھی علیحدہ اجزاء کو اُس طرح ترکیب دینے پر قادر نہ ہوں یا جس کو غور و فکر میں سینکڑوں سنسان اور خاموش راتیں جاگ کر کاٹنے کی ضرورت پڑی ہو پھر بھی نقطۂ حقیقت دُور ہی رہا ہو یا جسے تبادلہ خیال میں صدہا دماغوں سے مشورہ اور بیسیوں کتابوں سے سبق لینا پڑا ہو۔ پھر بھی آخر میں وہ یہی سمجھا ہو کہ ہمارے مجہولات کی دنیا معلومات سے زیادہ ہے یا جس کی غلطیوں اور خامیوں کا یہ عالم ہو کہ ایک ایک صفحہ لکھنے کے لیے ورق کے ورق سیاہ کر کے پھر چاک کر ڈالے ہوں اُس کے متعلق کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ عالم کائنات کے اسرار و رموز کو بالکل سمجھ سکتا ہے یا اپنے محسوسات و مشاہدات کو معیار حقیقت سمجھ سکتا ہے۔

پھر جب کہ ہر انکشاف کا کاشف اور صنعت کا موجد اپنے اپنے وقت میں ایک ہوا ہے پھر دوسروں نے اس کی پیروی کی تو یہ باور کرنے میں کیا حیرت ہے کہ کسی وقت میں یہ محیط عالم قدرت کسی ایک کامل انسان سے رازداری رکھتی ہو بات کرنے والی نہ سہی، وہ کلام کی خالق ہے اسی لحاظ سے وہ اپنے ارادہ کے مطابق جو بات ہو اُسے پہنچاتی اور اپنے منشاء کو پورا کرتی ہے۔

عقل ہرگز مشاہدہ اور دستور کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ دلیل کے پیچھے چلتی اور حجت کی تلاش کرتی ہے جب تک کسی شے کے غیر ممکن ہونے پر دلیل نہ قائم ہو وہ اُسے امکان کے دائرہ میں برقرار رکھتی ہے۔

عقل اسی معیار پر مضامین مندرجۂ قرآن کو جانچتی ہے اور ہر ایک کی صحت کا اقرار کرتی ہے۔ وہ نہ عیسیٰؑ کی تخلیق کو بعید از حقیقت سمجھتی۔ نہ نوحؑ کے طول حیات کو خلاف فطرت جانتی۔ نہ یوسفؑ کے حُسن، موسیٰؑ کے ید بیضا، اصحاب کہف کی نیند خضرؑ کی عمر جاودانی کو لایعنی قصہ کہانی کہتی ہے۔ یہ سب باتیں مادیت میں گھرے ہوئے اوہام کی ہیں جو محسوسات کے شکنجے میں اسیر ہو کر اپنے عقلی جوہر کو کھو بیٹھتے ہیں۔ عقل اُن کی باتوں سے فریادی ہے اور سب سے زیادہ اس بات پر چراغ پا ہے کہ یہ اپنے من گھڑت محدود تخیلات کو عقل کے نام سے پیش کرتے اور عقل کو بدنام کرتے ہیں۔ جھوٹے کے آگے سچا رو مرے مثل اصل ہے مجبوراً عقل "جواب جاہلاں" پر اکتفا کرتی ہے اور خاموشی اختیار کرتی ہے۔

جس طرح انسانوں میں باہم فرق ہے، مقامی تاثیر، ماحول کے اثر سے، کالا گورا رنگ، اچھی شکل، بُری صورت، چھوٹے بڑے قد قوی اور ضعیف اعضاء وغیرہ، مختلف اسباب کے ماتحت ہیں یوں ہی انسانی ذہنیت دماغ اور اُس کے ادراکات میں فرق ہو جاتا ہے مادیت کی فضا میں رہنے بسنے اور سانس لینے والے اشخاص زیادہ تر مافوق الطبیعت ادراکات سے قاصر رہتے ہیں یہ اُن کی عقل کا نہیں ماحول کا قصور ہے جو عقل کو کام نہیں کرنے دیتا۔ مگر وہ اس کا احساس نہیں کرتے وہ کہہ دیتے ہیں قدرت نے ہر شخص کے دماغ میں عقل ودیعت فرمائی ہے اس لیے عقل سے سمجھا ہے تو سمجھا دیجئے۔

بے شک سمجھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہو نہیں تو اگر "میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے" پر عمل ہوا تو تمام کوششیں بے سود ہیں۔ نہ انبیاؤ مرسلینؑ کے نصائح فائدہ مند، نہ قرآن کی ہدایت کارآمد، نہ خداوندی مذہب سمجھانے میں کامیاب ہے یہ سب باتیں اپنے ہاتھوں، سب کوتاہیاں اپنے گنوں سے ہیں۔ ذاتی افعال کا نتیجہ ہیں قدرت کو اس سے کیا سروکار۔ اُس کی کتاب سب کے سمجھنے کے لائق اور مذہب سب کے ماننے کے قابل ہے۔

اُس کے یہاں مساوات ہے۔ وہ عادل ہے۔ اُس کے گھر انصاف ہے۔ وہ سب کے لیے یکساں، اُس کے نزدیک سب برابر ہیں۔

رُوح

حیوان کی جان کو رُوح کہتے ہیں مگر وہ ہے کیا؟ اس کی حقیقت لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے اس لیے جاننا چاہیئے کہ امر رب ہے۔

انسانی روح اس کے ساتھ بہت سے خصائص ادراک کی حامل ہے اور جسمانی خواص سے الگ ہے اس لیے اس کے ماننے میں کیا عذر ہے کہ وہ وجود جسم سے ماقبل ہے اور مرنے کے بعد بھی ناپید نہیں ہوتی۔ جب کہ اُس کے خواص جسم سے الگ ہیں جسم کی ناتوانی کے باوجود وہ توانا اور جسم کی توانائی کے باوجود وہ ناتوان ہوتی ہے۔ جسم کے مرض کی حالت میں وہ صحیح اور جسم کی صحت کی حالت میں وہ اکثر مریض ہوتی ہے۔ پھر اگر جسم کی فنا کے ساتھ وہ باقی رہے تو اس میں عقل کو کیا گنجائش انکار ہے۔ فضا میں اس کی سیر کرنا۔ جسم سے پھر ملحق ہونا۔ وادی السلام یا وادی برہوت میں قیام ہونا، یہ باتیں مذہبی روایات میں وارد ہیں۔ جو کسی عقلی اصُول کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن دوسرے جسموں میں حلول کرنا، سر پر آنا، شیطان بننا، ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوا کرنا۔

بھوت پریت، برہم راکس، اگیا بیتال، شہید مرد، نٹ بن جانا، درختوں میں عمارتوں میں ٹھکانا بنا لینا۔ بازاری باتیں ہیں جن کی مذہب پر ذمہ داری نہیں۔ شریر آدمی اس دنیا میں

ہی شیطان ہیں۔ بعد مُردن اُن کے شیطان بننے کی کوئی اصلیت نہیں دوسرے جسموں میں حلول کرنا آریوں کا آواگون ہے اس کو مذہب اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

اسباب وسامان خانہ داری سے مستفید ہونے کے معنی صرف اتنے صحیح ہیں کہ اگر کسی غریب کو اُس کے ذریعہ سے امداد پہنچائی گئی تو اس کا نیک صلہ قدرت کی طرف سے دینے والے کی نیت کے لحاظ سے میت کی روح کو حاصل ہو سکتا ہے جو اُخروی نعمتوں کے لباس میں ہوگا۔

ایسا ہرگز نہیں کہ یہ دنیوی سازوسامان بجنسہٖ رُوح کے کام آئے۔ اور اس سے وہ فائدہ اُٹھائے۔

قوت جاذبہ و نامیہ کو رُوح کہنا غلط ہے اس لیے کہ یہ تو پھول پتی گھانس اور درخت میں بھی موجود ہے۔ مگر رُوح اُس میں نہیں مانی جاتی وہ حیوان سے مخصوص ہے۔ اور انسانی رُوح وہ اُس سے خاص ہے۔

ہوا کی ضرورت نباتات کے لیے بھی ویسی ہی ہے جیسے حیوان کے لیے پھر اُس کی جان کو روح کیوں نہیں کہتے۔

پُرانے زمانہ کے ریاضت کرنے والے سادھو برسوں تک سانس روکے رکھنے کی مشق کرتے تھے۔ اس عرصہ میں خارجی ہوا ان کے جسم میں اعضاء کے ذریعہ سے نہیں پہنچتی تھی پھر بھی اس عالم میں رُوح اُن کے جسم میں موجود تھی۔

پھر جب وہ چاہتے ہیں تو برسوں کے بعد سانس لے لیتے ہیں ہوا کی آمد نہیں تھی پھر بھی روح موجود تھی اگر روح نہ رہتی تو ہمیشہ کے لیے مرجاتے پھر سانس کیسے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کوئی اور چیز ہے۔

پھیپھڑوں کی کشش، دل کی حرکت سے ہوا کی آمدورفت کے ذریعہ فضا کے حیات بخش اجزاء کا پہنچنا، اور بُرے اور مُضر اجزاء کا نکال پھینکنا۔ خون کا دوران، عناصر کا اعتدال اور امتزاج، اجزاء کی ترکیب اور ترتیب، اندرونی اعضا کا عمل یہ سب رُوح کے آثار و لوازم ہیں روح کے نکلنے سے یہ تمام مشینری بے کار اور معطل ہو جاتی ہے روز ہزار پُرزے بگڑیں جب تک رُوح

ہے اُسی وقت تک زندگی قائم رہتی ہے اور نفس کی آمد و شد برقرار رہتی ہے۔

قدرت نے عالم کا نظام اسباب پر قرار دیا ہے مگر اپنے سے علاقہ قطع نہیں کیا ہے وہ جب چاہتا ہے اسباب کا نظام بدل دیتا ہے۔ اور نتائج میں تبدیلی کر دیتا ہے۔ اس لیے ہر شے جو فنا ہوتی ہے کسی سبب سے فنا ہوئی مگر پھر خدا کی مشیئت کے ماتحت۔ بے شک خصوصی حیثیت سے مشیئت کا عمل اُس وقت نمایاں ہے جب نظام اسباب کی رفتار کو روکنا اور اُن کے رویہ کا بدلنا ہو ورنہ جو عام نوعی نظام جاری کر دیا اُسی کے مطابق ہوگا اور اُس کے ہر ہر جزو میں خصوصی منشا اور مقاصد کے ڈھونڈنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ جب کہ بحیثیت مجموعی وہ پورا نظام ایک خاص حکمت اور مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے۔

بڑے فائدے کے لیے چھوٹے نقصانات گوارا کئے جاتے ہیں او میزان میں اگر وہ نقصان نقصان نہیں رہتے بلکہ فائدہ بن جاتے ہیں۔ یہی حالت نظام کائنات کی ہے۔

خالق کا کام بے شک بنانا ہے۔ اور بگاڑنا بھی اُس کا حقیقت میں بنانا ہی ہوتا ہے۔ کوتاہ نظر انسان اُسے بگاڑنا سمجھتا ہے پھر بنتے بگڑنے میں خود اُسی نے اسباب کا عمل دخل رکھا ہے اسی لیے بیماری میں علاج سے عناصر، اعضا، اعصاب کا امتزاج درست کیا جاتا ہے اور یہ قدرت کے خلاف مقابلہ نہیں قرار پاتا، نہ حفظان صحت کے کالجوں میں اُس کے مقابلہ کو امدادی افواج کی تیاریاں ہیں بلکہ یہ سب بھی قدرت کے منشاء پر عملدرآمد ہے۔

اُس نے ان اسباب کو مقرر کیا ہے اور اس نے ان میں اثر دیا، بے شک وہی کبھی اُس اثر کو سلب بھی کر لیتا ہے۔ مگر ہمیں تو عام قانون پر عمل چاہیئے اور کامیابی کے لیے پھر بھی قدرت سے لو لگانا چاہیئے کہ اُسی کی یہ سب فوج ہے اور اُسی سے ان افواج کی کامیابی کی ڈھارس ہے۔

عقائد و مراسم

جو باتیں مدت سے چلی آئی ہیں، اُنہی کے مطابق عملدرآمد کو رواج کہتے ہیں۔

عقیدہ کو رواج پر ہرگز مبنی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ عقل اور استدلال پر مبنی ہونا چاہیئے۔
بے شک مراسم رواج سے متعلق ہوتے ہیں۔ وہ اگر خلق خدا کے لیے فائدہ رساں ہیں اور ان کی کوئی عقلی بنیاد ہے تو انہیں باقی رہنا چاہیئے ورنہ ختم ہونا چاہیئے۔
مراسم اکثر بڑھ کر موروثی خلل دماغ ہو گئے ہیں یہ یقیناً اصلاح طلب ہیں۔
قدرت نے ہم کو لامحدود عقل اور گویائی دے کر انسان بنا دیا۔ دماغ دیا ہے کہ سوچ کر سمجھیے، نطق دیا ہے کہ پوچھ کر سمجھیے، آنکھیں دی ہیں کہ پرانے قصیے، گزرے افسانے، قدیم مقولے، موجودہ فضا کو دیکھ بھال کر سمجھیے، سمجھ کی اصلاح یا صحیح اندازے کے لیے عقل عنایت کی ہے۔

بہترین انسان وہی ہے جو قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کو اچھی صورت سے صرف میں لائے۔ کسی بات کا بلا دلیل اقرار نہ کرے۔ کسی بات کا بلا دلیل انکار نہ کرے جب کہ یہ صحیح ہے کہ فطرت کے آئین میں قوت، خواہش، قد، نیند، عمر، وغیرہ کی کوئی حد مقرر نہیں تو پھر کمی یا زیادتی کے کسی درجہ پر ناک بھوں چڑھانا عقل کے اصول پر صحیح نہیں ہے۔ عام و خاص کے اعتدال او کم و بیش کے اوسط پر دل کی تسلی ہو جائے تو ہو جائے۔ دماغ کو سکون نہیں ہو سکتا جب کہ انہی اوسط حدود میں آخری نقطہ معمول سے باہر ہی ہوگا۔ تو پھر اُس آخر پر بھی اضافہ کا امکان کیوں نہ ہو۔

قوت! کوئی شخص دو چار چھ من کا وزن اُٹھالے، اور رام مورتی صاحب بقول شخصے ترکیب سے ۳۸ من کا پتھر سینہ پر تو ڈال لیں تو آخر ۳۸ دونا چھہتر من کا وزن اُٹھانا غیر ممکن کیسے سمجھا جائے۔ دماغ یہاں خاموش اور عقل دم بخود رہے گی انکار کی جرأت نہ کرے گی۔ واہمہ ہے جو مشاہدہ کے آگے ایک انچ قدم آگے بڑھانے میں تھراتا ہے۔ وہ تو رام مورتی صاحب کا قصہ بھی اگر پہلے پہل سُنتا تو انکار پر تل جاتا اس لیے کہ اُس کے سامنے وہ انوکھا تھا تو اس سے زیادہ طاقت کے مظاہرہ پر بھی وہ انکار کی جرأت کرتا ہے۔ مگر عقل دوراندیش کہتی ہے کہ جب قوت کی کوئی حد نہیں مقرر تو اس سے زیادہ بھی قوت کا امکان ہے یوں ہی خواہش، قد اور نیند کو سمجھ لو، عُمر کے لیے کسی نے کوئی میعاد مقرر نہیں کی۔ کوئی حد قرار نہیں دی۔ اب تم اصول فطرت کے

مشاہدے تک مانتے ہو تو جو آخری مشاہدہ قرار دو گے وہ عام نظام فطرت سے الگ ہی ہوگا۔

پھر جب عام نظام سے وہ الگ ہے اور مانا گیا اس لیے کہ مشاہدہ میں آگیا تو اُس سے زیادہ مقدار کے مشاہدہ کا اگر کوئی ادّعا رکھتا ہو تو تم کس عقلی اصول کی بنا پر اس کا انکار کرو گے۔ اس کا باور نہ کرنے والا اپنے محدود مشاہدات کے حلقہ کا قیدی واہمہ ہے۔ اس کو عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

عقل کو بیکار بدنام کرنا اپنی انسانیت کو دھبّا لگانا ہے۔ عقل تو دلیل کی پابند ہے۔ وہ بلا دلیل ہرگز کوئی مفروضہ قائم نہیں کرتی۔ نہ کسی بات کا انکار کرتی ہے۔ نہ وہ واقعات کو مشاہدات کا پابند سمجھتی ہے۔

نظام قدرت میں مداخلت اور آسمان پر دست درازی اگر اُسی کے منشاء سے ہو جو اُس نظام کا موجد اور آسمان کا بانی ہے تو ہمارا یا کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ اُس کی قدرت کو مان کر اُس کی کارفرمائی کا انکار بالکل بعید از انسانیت ہے۔

جزا، سزا، قیامت

انسان جو کچھ سوچا یا کرتا ہے اُن میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں بُری بھی اچھی باتوں کا بدلا جزا۔ بُرے کاموں کا بھگتان سزا اور وہ موقع جب سب کو اُن کے کیے کی آخری جزا یا سزا ملے اُس کا نام قیامت ہے۔

دل میں خواہش، دماغ میں عقل قدرت کی جانب سے ودیعت ہے۔ دماغ دل کا مشیر قانونی ہے۔ دل مچلا عقل نے اچھا بُرا سمجھا دیا۔ مگر عقل کی آواز اُسی کو سُنائی دیتی ہے جس کا ضمیر مردہ نہ ہوا ہو۔ عادی مجرم جن کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ عیب کو ہنر سمجھ کر کرتے ہیں یہ سمجھنا اُن کا اپنے عمل کا نتیجہ ہے اس لیے وہ اس میں الزام سے بچ نہیں سکتے مگر سوال یہ ہے کہ احساس گناہ کا نتیجہ جو روحانی تکلیف ہو سکتی ہے وہ تو ان کو نہیں ہوتی۔

اگر دل کے دھڑکے، ضمیر کے اضطراب، نتیجہ کی دہشت ہی سزائے جرم قرار دی جائے تو نتیجہ

یہ ہے کہ ابتدائی مجرم تو سیکھیے گنا ہگار کی سزا سخت اور عادی مجرموں کی سزا اُس سے کم اور ایک وقت میں بالکل مفقود ہو جائے۔

بھلا یہ اصول کس انصاف کے قانون پر ٹھیک ہو گا کہ جتنا جرم کا ارتکاب ہوتا جائے سزا ختم ہوتی جائے اور جو گناہ میں بالکل منج جائے اُس کے لیے سزا بالکل رخصت ہو جائے۔

زبردست کمزور کا گلا کاٹتا، اُس کے مال اسباب جائداد پر قبضہ کرتا اور خوش ہوتا ہے۔

وکیل جھوٹا مقدمہ بنا کر عدالت سے ڈگری حاصل کرتا ہے۔ اور ناز کرتا ہے۔

گواہ جھوٹی گواہی دے کر حقدار کا حق مارتا اور جرح میں نہ ٹوٹنے پر بغلیں بجاتا ہے۔

ڈاکو، چور، اُٹھائی گیرے کمزور حکومتوں کے دور میں خوب خوب مزے اُڑاتے ہیں اور پھر بھی بال بیکا نہیں ہوتا۔

مہاجن ہزاروں غریبوں کے گھر برباد کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ آئین وقانون کی آڑ میں حکام کی طرف سے سینکڑوں مظلوموں کے گلے کٹتے ہیں اور وہ مطمئن ہیں اس لیے کہ قانون خود اُن ہی کے ہاتھ کا کھیل ہے۔

بتائیے ان تمام جرائم کی پاداش میں کون سا دل کا دھڑکا، ضمیر کا اضطراب، نتیجہ کی دہشت، صحت کی خرابی، انجام کی دھمکی حشر برپا کر دیتی ہے۔ کون سی عدالت کی زحمتیں اور قانونی سزائیں قیامت ڈھاتی ہیں۔

رہ گئی بدنامی و رسوائی یعنی آدمیوں کا برا کہنا تو اس سے تو اچھے آدمی بچتے ہیں، نہ برے۔ اچھے آدمیوں کو یہ تکلیف بروں سے زیادہ برداشت کرنا پڑتی ہے اور اُن کی رُوح کو ایذا بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اُن پر عائد کردہ الزامات حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

تو بتائیے ان کے لیے یہ اچھے کاموں کی جزا ہے یا سزا۔ بے شک بہت سے جرائم کے بُرے نتائج خود اُن ہی جرائم کے بعد ظاہر ہو جاتے ہیں مگر جزا و سزا کو ان وقتی نتائج میں محدود بناؤ گے تو بہت سے اچھے کام تمہیں مورد سزا نظر آئیں گے اور بہت سے بُرے کاموں پر تمہیں جزا کا قائل ہونا پڑے گا اگر انصاف اور عدالت کی دنیا میں اچھے بُرے میں حدِ فاصل کا برقرار رہنا ضروری ہے تو ان وقتی اور عارضی نتائج کے آگے تم کو ایک مستقل اور منتظم ۔۔د و سزا کا ماننا ضروری ہے۔ وہی

قیامت ہے۔ جو اُس کے حقیقی معتقد ہیں وہ ہرگز گناہوں کے ارتکاب کی جسارت نہیں رکھتے۔ جو اندیشۂ معاد سے آزاد ہیں اُنہیں جرائم سے باز رکھنے کے لیے صرف قانونی تحفظ کا سامان کر لینا کافی ہے اس لیے وہ جرائم سے متنفر نہیں ہوتے بلکہ صرف اپنے بچاؤ کے خواہاں ہی رہتے ہیں۔

مذہبِ اسلام

باامن و اماں عرصۂ حیات طے کرنے کے لیے مافوق انسانی لامحدود طاقت کو سمجھ کر اور مان کر کچھ اُصول کے پابند ہو جانے کا نام مذہب ہے۔ خداوندی پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔ جس نے اس پیغام کو نہ مانا کافر ہوا یہ تفریق ہمیشہ سے قائم ہے خدا کا دین ہمیشہ سے اسلام رہا اصطلاحی طور پر نام بے شک حضرت ابراہیمؑ سے چلا۔ پیغام ایک تھا پیغام لانے والے بدلتے گئے اور اصلاحِ خلق کے عملی تعلیمات پروگرام کے مطابق تبدیل ہوتے رہے ہر پیغامبر کے پیغام پہنچانے پر جنہوں نے انکار سے کام لیا وہ کافر ٹھہرے جنہوں نے تسلیم کر لیا اور اقرار کیا وہ مُسلم قرار پائے۔

اُس پیغام کے آخری حامل اور شریعت کے معلم حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تھے اس لیے آخری معیار اسلام اور کفر کا آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا اور نہ تسلیم کرنا قرار پایا۔ اب جتنے لوگ آپ کے پہنچائے ہوئے پیغام اور بتلائی ہوئی شریعت کو مانتے ہیں وہ مُسلم کہے جانے کے حقدار ہیں۔ اسلام کے اصل اصول کو فطری بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہوش و حواس میں رہ کر ہر انسان اپنے خالق کا مقر ہے اور اگر باپ دادا کے راستے کی محبت، ماحول کا اثر، پُرانے رسم و رواج کی لاج مانع نہ ہو تو خالق کے پیغام کے سامنے سر جھکانا بھی فطرت کا تقاضا ہے۔

اسلام کا مذہب اٹل اور ٹھوس حقائق کا مجموعہ ہے جو ہمیشہ سے ایک حالت پر برقرار ہے۔ بے شک شریعت اسلام جو وسیع اور جامع اور جاودانی ہدایات کو لے کر آئی ہے ناسخ ہے تمام گزشتہ شریعتوں کی۔

تاریخ شاہد ہے کہ علمبرداران اسلام نے تبلیغ و حدانیت اور تکذیب شرک سے لاکھوں کافر مسلمان بنا دیئے بلکہ یوں کہا جائے کہ اپنے لاجواب تعلیمات سے کروڑوں آدمی انسان بنا دیئے۔

اسلام اب بھی وہی ہے۔ اس کی ٹھوس حقیقتیں وہی ہیں اُس کے لاجواب تعلیمات وہی ہیں۔ رہ گئی ”مسلمان“ نام اختیار کرنے والی جماعت کی بے راہروی تو یہ آج بھی ہے اور پہلے بھی تھی اور اُس کے بعد بھی تھی اور خود پیغمبر اسلامؐ کی زبان سے اسلام کا پیغام پہنچائے جانے کے دور میں بھی تھی اور اور اس کے بعد بھی رہی بات یہ ہے کہ زبان سے اقرار والے سب دل سے تو مومن نہیں ہوتے۔ نہ سب اُن حقیقتوں کی صحیح معرفت رکھتے ہیں۔ جنہیں وہ عقیدے کے طور پر مان رہے ہیں۔ کیونکہ ماننا اور ہے اور جاننا یا سمجھنا اور ہے۔ عقائد، واہمہ، غلو، تعصب کی آمیزش ہمیشہ سے رہی۔ روایتی مذہب ہمیشہ بنتے رہے۔ مجموعہ میں ابتری اور شیرازہ میں برہمی کب نہ تھی۔ اسلام کفر میں، سچ جھوٹ میں کب نہ چھپا تھا عقیدت کو از روئے حقیقت دل میں جگہ دینے والے ہمیشہ سے کم تھے۔ آج بھی وہی صورت ہے امتداد زمانہ سے کچھ بدتر سہی حالانکہ بدتر بھی نہیں کہہ سکتے۔

ہر فرقہ کا دوسرے فرقوں کو کافر بنانا، بے بنیاد باتوں پر لڑنا جھگڑنا، تعلیمات اسلام کے خلاف لباس، وضع، سوسائٹی کی پیروی اور رواج کی پابندی اور اپنے خود ساختہ رسوم قدیمہ اور مُسلّمات دیرینہ کی پابندی کرنا۔

یہ باتیں بے شک افسوسناک ہیں جو اسلام کی ترقی میں سدّراہ ہیں مگر عقل کا کام ہے کہ وہ حقیقت کے جواہرات کی تلاش کرے اگرچہ وہ گرد میں اٹے ہوئے ملیں۔ گرد جھاڑو تو ہیرا اپنی چمک پوری دکھلائے گا اُس کی قیمت میں کمی نہیں ہوگی۔ کتب پارینہ، اقوال دیرینہ اور مسلّمات سابقہ بے شک ماننے کے قابل ہیں۔ بشرطیکہ مستند وجوہ سے اُن کی صحت ثابت ہو۔

عقل کو نقل سے دبانا اور مسائل عقلیہ کو تاویل سے ٹکرانا درست نہیں بشرطیکہ وہم کو عقل اور محدود مشاہدہ کے نتائج کو مسائل عقلیہ کے نام سے پیش نہ کیا جا رہا ہو۔

مشاہدہ جزئیات سے متعلق ہوتا ہے اور اپنی حد میں اُس کے ٹکرانے کا کسی کو حق نہیں مگر مشاہدہ کا نتیجہ ہمیشہ جزئی ہوتا ہے اور اُس پر کلی اصُول کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی، اوہام پرستی کبھی حقیقت پروری کا ذریعہ نہیں ہو سکتی مگر آج کل کی روشنی میں اوہام کو مسائل عقلیہ اور عقلی دلائل کو اوہام

سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ ؏

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

عقائد اگر حقیقت کے مطابق ہیں تو اُن کی پرورش عین حقیقت کی پرستش ہے۔ پیر اگر رہبر حقیقت ہوں تو اُن کی پیروی صحیح طریقت ہے۔ مُلا اگر عالم باعمل ہوں تو اُن کی تقلید عین ہدایت ہے۔ مرشد اگر واقعی "مرشد" یعنی راہ رشاد کے مالک ہیں تو ان کے ارشاد کی تعمیل نجات کی ضامن ہے۔ مگر آب وسراب میں تمیز، یاقوت اور امی ٹیشن میں فرق عقل وشعور کی آزمائش اور انسانیت کی کسوٹی ہے۔ خدائے واحد کے علاوہ پرستش کسی کی صحیح نہیں مگر اُس کی طرف تعلق سے کسی کی تعظیم، کسی شے کا احترام خواہ وہ کوئی قبر ہو۔ کوئی شبیہ ہو۔ یا کوئی خدا ساختہ یا خود ساختہ چیز حقیقۃً اللہ کی پرستش اور اُس کی عبادت ہے نیت سے عمل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کعبہ بھی خود ساختہ ہے۔ قرآن کے نقوش بھی کاتب کے خود ساختہ ہیں مگر یہ سب عزّت واحترام کے مستحق ہیں اور اُن کے سامنے سر جھکانا عین اسلام ہے اُس نسبت کی وجہ سے جو اُن کو خالق کی طرف حاصل ہے۔

واقعات ومعجزات اگر صحیح ذرائع سے ثابت ہوں تو اُن کا ماننا جزو ایمان ہے۔ اسلاف کے کارنامے ضرور عزّت وافتخار کے ساتھ ظاہر کرنے کے مستحق ہیں بے شک واقعات میں اصل اور تراشیدہ، کارناموں میں کردہ اور ناکردہ کے جانچ کی ضرورت ہے۔ مگر کچھ غلط اصول یا خود ساختہ توہمات کی بنا پر ہر واقعہ اور معجزہ کو آنکھ بند کر کے تراشیدہ اور ہر غیر معمولی کارنامہ کو ناکردہ کہدینا بھی آج کل کے دماغوں کا بڑا کارنامہ ہے جو عقل وہوش کے مخالف ہے۔

اسلام عقلی مذہب ہے تو اُس کے اصُول کا ماننا بھی ضرور ہے اسی ماننے کا نام عقیدہ ہے پھر مطلق اعتقاد کی بیخ وبن کیوں اکھاڑتے ہو۔ اُس کے احکام کو عقل ودانش کے مطابق جانتے ہو تو ناواقف لوگوں کو واقفیت حاصل کرنے کے لیے واقفکار لوگوں سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ پھر مطلق تقلید کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔

اسلام کی کتاب بے شک رفعۃً آسمانی اور باعتبار خلقت نسبۃً کلام الٰہی ہے۔

غلط ہے جو کہے کہ آسمان پر خدا کا مقام ہے اور وہ وہاں بیٹھا ہوا رسولوں کو بھیجتا ہے اور کتابوں کو نازل کرتا ہے۔

بے شک ایسا ہی ہے کہ ہم اپنے پیکر میں سر کو تمام اعضا سے برتر پاتے ہیں اس لیے اپنے اشارہ میں خدا کو رفعتہً اور ادباً سر سے اوپر اور اپنے محاورے میں افلاک سے بالا تر بتاتے ہیں حالانکہ قدرت کی حیثیت سے اس کو جہات ستہ میں اوپر نیچے آگے پیچھے دہنے بائیں کسی طرف محدود نہیں بنا سکتے۔

بانیٔ اسلام عام ذرائع تعلیم کے لحاظ سے ان پڑھ تھے مگر علم و معرفت اور عقل و حکمت کا جوہر اُن کا خداداد تھا۔ اپنے دماغ سے جو باتیں انہوں نے دنیا کو بتلائیں اور سُنائیں وہ احادیث کہی گئیں اُن میں بھی حکمت اور دانشمندی کے خزانے مضمر ہیں مگر خود اُن کے دل و زبان پر قدرت کی طرف سے ایک ایسا کلام جاری ہوتا رہا جس سے خود اُن کے اقوال کو کوئی نسبت اور مماثلت نہیں اس کو وہ اپنے رب کا کلام مانتے اور بتلاتے تھے اور اپنے خالق کی طرف سے ایک سفیر یعنی جبرئیل کے ذریعہ آیا ہوا ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے جبرئیل کی تشریح اوصاف کے ذریعہ سے اس طرح سے کی کہ معلوم ہوا وہ خدا کا روحانی مخلوق ایک فرشتہ ہے۔

جبر کے معنی پیغام اور ئیل کے معنی قوت الہیہ کہنا آپ کے قول کی بلا وجہ تاویل اور اپنے دل کی ایجاد ہے۔ حضرت کے دعوے سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

جماعت اسلام نے بھی صرف اُن ہی اقوال کو جو اُن کے ذاتی کلام سے ممتاز اور بالاتر تھے خدا کی طرف سے اُترا ہوا کلام مانا ہے اور اس وحی کا مجموعہ قرآن، عرب کے لہجہ میں اوپر سے آیا ہوا فرمان ہے۔

بانیٔ اسلام کی سیرت تھی کہ سوال کا جواب، نیکی کی ہدایت، بدی سے ممانعت یا کسی بات کا حکم اپنے دل سے نہ دیتے تھے، بلکہ اُس غیبی طاقت کی ہدایت کے منتظر رہتے تھے دل سے سوچ سمجھ کر جو باتیں کی ہیں وہ حدیثیں ہیں تمہارے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان کا انداز، طریقہ طرز ایک خاص ہے اور جو وحی ربانی کا کلام ہے وہ بھی سامنے ہے اُس کا انداز و طریقہ بالکل جدا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیثیں بے سوچے سمجھے فوراً کہہ دی جاتی تھیں۔ ہرگز نہیں، وہ بھی عقل

خداداد کی رہنمائی، توفیق ربانی، تائید آسمانی سے متعلق تھیں مگر آں ہمہ دیگر اور کلام قرآنی چیزے دیگر ہے۔ اسی کی تبلیغ پر رسالت کے مدعی ہوئے۔ یعنی جو خداوندی پیغام اُن کو ودیعت ہوئے خواہ عقل خداداد سے اور خواہ قول خدا ساز سے اُن کو ہم تک پہنچانے کے رسول ہیں۔

آپ نے اپنی بساط تلقین ہرگز اُس نیم تاریخی اور روایتی زمین پر نہیں بچھائی جو یہود نصاریٰ اور بنی اسرائیل کو خوشگوار تھی بلکہ آپ نے اُن کے روایات کی تصحیح کی، اُن کی ترمیم کی اور اُن کو اصلی صورت پر پیش کیا۔

دیکھو آدم کا جنت میں گندم کھانے کا قصہ، حضرت داؤدؑ کا اوریائے حتی والا واقعہ۔ بائبل میں اور قرآن میں۔ معلوم ہوگا کہ ان کے وہ اجزا جو شانِ رسالت والوہیت کے خلاف ہیں قرآن میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اظہارات میں قرآن نے تقلید سے نہیں۔ تحقیق سے کام لیا۔

گزشتہ واقعات میں "تاہ باشد چیزکے" کے مطابق جتنی اصلیت تھی اُس کو بیان کیا گیا اور آدمیوں کی بنائی ہوئی "چیزہا" کے جو اضافے تھے انہیں حذف کر دیا۔ نیکی کی ہدایت، جزا کی بشارت دی، بدی سے ممانعت کی، سزا سے ڈرایا، قوم میں شریعت قائم کی۔ جہالت کی فضا تھی، عرب میں لکھے پڑھے ہوئے آدمیوں کی کمی تھی، آپ نے کوشش کے ساتھ لکھے پڑھے آدمی فراہم کیے جو کچھ کلام الٰہی کی حیثیت سے آپ کی زبان پر جاری ہوتا۔ اُسے فوراً کاتب کو بلا کر خود لکھوا دیتے تھے اور اپنے بھائی، داماد، اور شاگرد خاص حضرت علی بن ابی طالبؑ کی حفاظت میں دیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی جو کچھ سنتے تھے۔ یاد کرتے تھے اور ہڈی چمڑے لکڑی پتہ، پوست، کاغذ جو پاتے تھے اُس پر لکھ لیتے تھے۔

حضرتؐ کی وفات کے بعد ایک طرف تو حضرت علیؑ نے دنیا سے الگ تھلگ ہو کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اُن تمام مکتوبات کو کتاب کی شکل میں مرتب کر لیا۔ دوسری طرف با اقتدار جماعت یعنی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر اور اُن کے گروہ نے بڑی کوشش سے آیتوں کو ترتیب دے کر صحیفوں کی شکل میں جمع کیا۔ اور اصحاب نے بھی اپنے اپنے سلیقہ کے مطابق اپنے اپنے محفوظات کو کتاب کی شکل میں ترتیب دے لیا۔ جیسے ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود

وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے جمع کئے ہوئے مصحفوں میں اگر کچھ فرق تھا تو ترتیب کا تھا اسی لیے جب حضرت علیؑ کے جمع کئے ہوئے قرآن کو لوگوں نے نہ لیا تو آپ نے اُس کی اشاعت ضروری نہیں سمجھی۔ بلکہ آپ ہمیشہ اسی قرآن پر عمل اور اُس کی تعظیم پر لوگوں کو مامور کرتے رہے جو مُسلمانوں میں رائج ہو گیا تھا۔

آپ نے معمولی احکام شرعیہ کے لیے جن کے متعلق حکومت کا طرز عمل خلاف آئین حقیقت تھا۔ علانیہ مخالفت کے طور پر (جو آپ کے نزدیک مفاد اسلامی کے خلاف تھی) نہ سہی مگر اظہار حقیقت کے طور پر اظہار واقعہ سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ پھر غیر ممکن تھا کہ قرآن میں کسی قسم کی قطع و برید ہوتی، کوئی الحاق واضافہ کیا جاتا اور اُس پر آپ احتجاج سے خاموش رہتے اور اُس کا صاف اعلان نہ کر دیتے حضرت عثمان کی جدوجہد اپنے دور میں صرف یہ رہی کہ مُسلمانوں کو ایک ترتیب کا پابند بنا دیں اور وہ تمام مصاحف جن کی ترتیبیں مختلف تھیں جو عبداللہ بن مسعود وابی بن کعب وغیرہ کے پاس تھے انہیں تلف کرادیں اس لیے کہ وہ لوگ اپنی ہی ترتیب کے مطابق اپنے شاگردوں کو تعلیم بھی دیتے تھے اور اُسی کی اشاعت کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ترتیب دادہ مُصحف کی اس کے پہلے ہی اشاعت نہ کی تھی اس لیے اب اس دور میں آپ کے اُس مصحف کے خلاف کوئی کوشش و کاوش بھی نہ ہوئی۔ موجودہ ترتیب بے شک ترتیب عثمانی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اکثر جگہ بے ربط ہے۔ آیتیں سورے اپنی جگہ پر نہیں، مکی مدنی آگے پیچھے۔ پہلے بڑے سورے رکھے پھر بتدریج چھوٹے سوروں پر اختتام کیا ہے مگر کوئی شبہ نہیں کہ ہر آیت اپنی جگہ وہی کلام ہے جو پیغمبر اسلام نے بحیثیت کلام اللہ پیش کیا۔ اُس میں ہمارے خیال میں کمی نہیں ہوئی اور زیادتی تو قطعاً نہیں ہوئی۔

ترتیب میں بنی امیہ کا سلیقہ ہو تو ہو مگر بہترین احکام و ہدایات کے ساتھ قدیم حکایات کے ہونے میں بنی امیہ کا قصور سمجھنا غلطی ہے۔ حکایات بھی اُس کی طرف کے ہیں جس کی جانب کے احکام و ہدایات ہیں نہ مکرر سہ کرر فقرے تاکید و یاد دہانی کے طور پر مختلف وقت پر آئے ہوئے مضامین میں تکرار، نصیحت اور عبرت کے استحکام کے لیے ایک بات دو چار بار بلکہ دس بار اس لیے کہ زود فراموش افراد کو یاد رہے۔ بیان میں انتشار موقع اور محل کے اختلاف سے۔ نصیحت کہیں،

پر صراحتہً اور کہیں ضمناً یہ شاذ نہیں بلکہ ہر مقام پر یہاں تک کہ قصص و حکایات میں نصیحت ہی اصل مقصد و مفاد ۔ ہدایت جا بجا نہیں بلکہ ہر جا ۔ قسمیں حُسن بیان اور کلام کی سجاوٹ اور شان کے لیے خود ستائیاں دنیا کو اپنی معرفت حاصل کرانے کے لیے جس میں دنیا کی بہبود اور ترقی کا راز پنہاں دوزخ سے دھمکیاں شریر طبیعتوں کی اصلاح کیلئے بہشت کی بشارتیں نیک اعمال والوں کی ہمت افزائی کے لیے ۔ پچھلے قصے پُرانی حکایتیں ، سبق دینے اور عبرت حاصل کرانے کے لیے ۔ انسان کی خلافت انسان کے مقصد خلقت بتانے کو ، آدمؑ کی حکایت ۔ انسان کی قدر و شان اور اس کی عملی کمزوری کا امکان جتاتے کو ۔ جانوروں کی باتیں خالق کی ہمہ گیر قدرت کے اظہار کے لیے ، موسیٰؑ کا تکلم ، انبیائے سابق کی معرفت حاصل کرانے کے لیے ، شیطان کی کہانی بنی آدم کی تنبیہ و توجہ دہانی کے لیے ، ہابیل قابیل کا قصہ رشک و عداوت کا انجام بتانے کے لیے ۔ بلقیس کا تخت ۔ سلیمانؑ کی سلطنت مال و متاع دنیا کی بے اعتباری دکھانے کے لیے ، طوفان کی واردات دنیا کی موجودہ سرکش آبادی کو خوف دلانے کے لیے ۔ یوسفؑ کا قصہ اسباب معیشت کی فراوانی کے موقع پر نبیٔ خدا کی پاکدامانی کے اظہار کے لیے ہاروت ماروت کی سرگزشت جادو اور ظلم کی حقیقت کھولنے کے لیے ۔ زکریا کا ذکر انبیاء کا تذکرہ صالحین کی یاد تازہ کر کے اُن کے اسوۂ حسنہ کی طرف دنیا کو دعوت دینے کے لیے ، عزیر کی دوبارہ حیات حیات بعد الموت کے تصدیق و اقرار کیلئے غرض کوئی جزو بیکار نہیں کوئی بات فضول نہیں ہر ایک خدائے حکیم کی جانب سے حکمت اور مصلحت کی بنا پر بندوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے مذکور ہوئی ہے ۔

بنی امیہ لاکھ بُرے سہی مگر اُن کی اتنی مجال نہ تھی کہ یہ سب کچھ قرآن میں بڑھا دیتے اور مسلمان ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتے بلکہ اس پر یونہی پردہ پڑا رہتا اور کوئی اس پردہ کو نہ اٹھاتا ۔ نہ اس کا انکشاف کرتا ۔ یہ بات بالکل غیر ممکن ہے ۔

بنو امیہ کو بڑھانا ہی تھا ۔ تو اپنی تعریف اور منقبت کے سورے بڑھا دیتے اپنی سلطنت کی حیثیت کے لیے آیتیں تصنیف کرتے ۔ انہیں کیا ضرورت تھی کہ یہودیوں کے تالیف قلب کو موسیٰؑ کا ید بیضا ۔

لاٹھی ، عصا ، بچھڑے کا قصہ ، طور کا واقعہ ، لاش فرعون کی بقاء ، نصاریٰ کے استفسار پہ

پچھلی کتابوں کے معلومات کا اظہار، ذوالقرنین کی گام فرسائی وغیرہ وغیرہ کی تصنیف کے لیے سر مغزی کرتے اور ان تمام باتوں کا اضافہ قرآن میں کر دیتے۔ جو ایسا گمان کرے عقل کے ساتھ کھیل کھیلتا ہے اور کلام الٰہی کی تکذیب کو اس پردہ میں چھپاتا ہے کہ آئی گئی بنی امیہ کے سر ڈالتا ہے مگر دنیا ایسی سادہ لوح نہیں ہے۔ کہ وہ ان چکموں میں آئے اور ایسی بیوقوف بنے۔

کون نہیں جانتا کہ بنی امیہ نے احکام شرع میں جو تبدیلیاں کیں اور مذہب کے ساتھ جو بغاوت کی اُس کے خلاف آل رسولؐ اور سچے مسلمان احتجاج کرتے رہے اور نہ صرف احتجاج بلکہ قربانیاں پیش کرتے رہے۔ کربلا کی خونی تاریخ کی اسی پر بنیاد ہے۔ کیا ممکن تھا کہ قرآن میں اس تصنیف و ایجاد پر آل رسولؐ اور تمام سچے مسلمان خاموش رہتے اور آج سے پہلے اس کا کبھی اظہار نہ کیا جاتا۔

یہ بھی دیکھیے کہ بنی امیہؓ کے بعد سلطنت بنی عباس کی قائم ہوئی جو بنی امیہؓ کے حریف تھے۔ اس لیے لوگوں کو اس دور میں بنی امیہؓ کے نقائص و معائب بیان کرنے کا خوب موقع ملا۔ مگر اس وقت بھی قرآن جوں کا توں قائم رہا اور کسی نے بنی امیہؓ کے خلاف یہ الزام نہیں عائد کیا کہ انہوں نے یہود اور نصاریٰ کی خاطر اس میں غلط افسانے شامل کیے ہیں اور جھوٹے حکایات درج کیے ہیں۔

حکومت کا دباؤ ہرگز مسلمانوں کے زبان اور دل پر ایسا سخت پہرہ نہیں بٹھا سکتا تھا کہ اتنا اہم معاملہ دبا رہتا اور ایک صدا بھی اس کے خلاف بلند نہ ہوتی۔ نہ پہلے نہ بعد اُس وقت جب کہ حکومت کا دباؤ اُٹھ چکا تھا اور دوسری حکومت قائم ہو چکی تھی۔

نہ یہود اور نصاریٰ کا رسوخ امور سلطنت میں اس درجہ تھا کہ وہ اپنی طبیعت کے موافق قرآن میں تبدیلیاں کر سکتے۔

شروع والی خلافت کے دور میں تو کچھ نو مسلم یہود ایسے تھے بھی جن کے روایات احادیث و اخبار کے ذیل میں مسلمانوں میں رواج پا گئے مگر اس کے بعد پھر کوئی ایسی جماعت یہود و نصاریٰ میں سے کبھی برسر اقتدار نہیں رہی۔ عثمان کا قتل جن الزاموں پر تھا وہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اُن میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے یہود اور نصاریٰ کی جماعت کی خاطر قرآن کی آیتیں یا سورے

تصنیف کر کے الحاق کیے۔

اُن کے قتل ہو جانے کے واقعہ ہی سے ظاہر ہے کہ مُسلمان اتنے مردہ دل نہیں تھے کہ وہ آسانی سے اُن باتوں کو گوارا کر لیتے جو اُن کے نزدیک بالکل غلط ہیں جب معمولی الزامات پر عثمان قتل کر دیئے جاتے ہیں تو قرآن میں اضافے ہوتے اسے مسلمان کیسے گوارا کر سکتے۔

ایں خیال است و محال است

غیر مذہب والا اگر عقل و انصاف سے کام لے گا تو وہ ایسے اعتراض نہیں کر سکتا جن کی کوئی بنیاد نہ ہو۔

آسمان جسی طریقہ پر سروں کے اوپر بطور چھت کے نظر آتا ہے، حقیقت اس کی جو کچھ ہو۔ بہرحال وہ کچھ اجسام و اجرام کا مجموعہ ہو، ابتھر کا طبقہ ہو، حدنگاہ ہو، کچھ ہو۔ قرآن نے کب کہا کہ وہ لوہے سونے چاندی یا پیتل کا کوئی ٹھوس جسم ہے یہ تو سمجھ کا فتور ہے کہ لوگوں نے اپنے دل سے ایسا ہی سمجھ لیا تھا وہ سمجھا کریں۔ مگر قرآن پر اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ چھت پر خدا کا مقام ہرگز نہیں بتایا۔ کتاب کے بلند مضامین اگر کسی بلند طبقہ سے اُسے متعلق بتائیں تو نہ ماننا اپنے ضمیر سے مقابلہ کرنا ہے۔

قرآنی حکایتوں میں بہت سی باتوں کی صحت واقعات سے ثابت ہو چکی ہے بہت سی باتوں کے لیے مستقبل کا انتظار کرو۔ محدود معلومات کے ساتھ کامل دانائی کا دعویٰ عقل انسانی کے شایان شان نہیں ہے۔

ترتیب میں بے شک زید بن ثابت کی صلاح ہے مگر قریش کی فصیح ترین زبان قدرت کا انتخاب ہے۔ مکہ کے زباں دانوں، مدینہ کے زباں آشناؤں اور قریش کے فصیح اللسانوں کا سر عاجزی جھکانا ہند کے عربی میں دخل نہ رکھنے والے بے تمیزوں کے لیے بھی سند ہے۔

ترتیب کی بے ربطی سے آیتوں کے مضامین کو مجذوب کی بڑ کہنے والا مشرکین عرب کا ہم زباں ہے جو رسولؐ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے۔

سورۂ النجم بھی سامنے ہے۔ آیات میں وہی شکوہ و دبدبہ اور شان ہے جو فصاحت و بلاغت

کی جان ہے۔ پریشان خیالی سے دیکھنے پر بیان منتشر عبارت طول طویل مکرر سہ کرر فقرے اور الفاظ کی تکرار نظر آئے اور بے ربط طبیعت کو حکایتیں بے ربط معلوم ہوں تو اس میں قرآن کا کوئی قصور نہیں، اُس میں ہدایات بھی ہیں اور نصائح بھی۔ خدا کے جاہ و جلال کا نقشہ ہے جو مقصدِ رسالت ہے اسے چاہے خودستائیاں کہو اور چاہے جو کچھ مگر خودستائی ناقص انسانوں کی زبان سے قابلِ مذمّت اور کامل ہستی کی طرف سے انسان کے فہم و عرفان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

دہلانا۔ بہلانا۔ یعنی عذاب و ثواب۔ بہشت و دوزخ کا تذکرہ چاہے طبیعتوں پر بار ہو لیکن منکروں کو بھی اقرار ہے کہ اصلاح خلق کے لیے یہ طریقہ بہتر ہے۔ عیسیٰؑ کی تعریف اور موسیٰؑ کی شریعت کا تذکرہ حق کا اظہار ہے رہ گیا مفسرین کی مختلف عقل آرائیوں کا حاشیہ۔ وہ نہ قرآن کے اندر ہے۔ نہ قرآن اس کا ذمہ دار ہے۔

سورۂ کہف میں بھی کوئی بات ایسی نہیں جو عقل کے خلاف ہو۔ دیوارِ چین مشہور ہے۔ تتار کے غیر معمولی انسانوں کی آبادی بھی ہر ایک کو معلوم ہے۔ آفتاب حسّی صورت سے سمندر میں اندر ڈوبتا اور اس سے نکلتا ہے۔ سمندر کے اندر ہی دوسری سمت امریکہ کے جزائر کا اب انکشاف ہوا۔ اس لیے پانی میں زمین کی شرکت کا عین حمۂ کی لفظ سے اظہار کیا گیا۔ آج تک حفریات میں ہزاروں چیزیں برآمد ہوتی ہیں جن کا پہلے پتہ نہ تھا۔ سینکڑوں پہاڑ۔ ہزاروں غار اب تک ایسے ہیں جن تک تحقیق کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ پھر اصحاب کہف کی نسبت کس لیے انکار ہے؟

حضرت خضرؑ کے ہاتھ سے بچّہ کا قتل ایک سابق شریعت کی بات ہے۔ جس کی بنیاد باطنی اسرار پر ہے۔ اس سے ہرگز بچّہ کی خلقت کا عبث ہونا ضروری نہیں ٹھہرتا تمہیں کیا معلوم کہ اتنی ہی عمر میں اُس کی خلقت کا منشا پورا نہیں ہو گیا جب مقصد کی تکمیل ہو گئی تو دنیا سے اٹھا لینے کا ذریعہ بنایا گیا۔ یہ پشیمانی نہیں ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے نتائج کی تبدیلی ہے موت کا فرشتہ مارتا تو بھی خدا کے حکم سے ہوتا خضرؑ باطنی شریعت کے ہوتے ہوئے منشائے قدرت کے رازدار اور ملک الموت کے قائم مقام بنائے جائیں تو ہمیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ بے شک ہماری شریعت کی بنیاد ظاہری اسباب پر ہے اس لیے ہماری شریعت میں اس عمل کی مثال نہیں لائی جا سکتی۔

آسمان حدِ نگاہ ہو یا کچھ، پھر بھی بلندی کی سمت ایک کائنات کا عالم آباد ہے اُسی کو قرآنی زبان

میں افلاک وسماوات کہا جارہا ہے۔

ثوابت کی گردش ثابت ہو مگر سیارات کے لحاظ سے وہ اتنی سست ہے کہ حسی طور پر مفقود ہے اسی لیے بطور تقابل سیارات کے ساتھ ثوابت کا ثبوت صحیح ہے۔

یہ تمام اعتراضات اپنی جہالت اور کوتاہی معلومات کی نشانی ہیں۔

اپنے ناقص معلومات نہیں بلکہ سچے "علم ومعرفت کی قسم کہ اس کتاب کے تمام آیات بجنسہٖ تنزیل آسمانی ہیں۔

(وانہ لتنزیل من رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین)۔

بلسان عربی مبین۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

شرک

کوئی شبہ نہیں کہ بانیانِ مذہب نے خلق کی اصلاح کے لیے توحید ومعاد کی حقیقتوں کی تبلیغ کی۔ سب سے آخر میں اسلام کا دور ہوا اس نے شرک کے مٹانے میں بے جد وجہد کی یہاں تک کہ ہزاروں جانیں قربان کرڈالیں مگر شرک کے معنی سمجھنے میں اکثر دعویداران توحید کو دھوکا ہے" شرک" کیا ہے؟ خدا کو بھول کر کسی دوسرے کی روحانی عظمت کا قائل ہو جانا یا حکم خدا کے خلاف کسی دوسرے کے سامنے سرنگوں ہونا اسی کا نام شرک ہے۔ اگر خدا کے حکم کی بناء پر یا اُس کی تعظیم کے خیال سے اُس کی طرف منسوب شدہ کسی شے کی تعظیم کرو تو یہ تو خدائے تعالےٰ کی تعظیم ہوئی اس کو شرک سے کیا واسطہ ہے مثال کے طور پر تم کسی شخص کو آتے دیکھ کر اُس کیلئے کھڑے ہو جاؤ اُس کی تعظیم کے خیال سے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تم اُس کے بیٹے کو آتے دیکھو اور کھڑے ہو جاؤ اس لیے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے تو یہ تعظیم حقیقۃً بالاتر درجہ ہوا خود اُسی شخص کی تعظیم کا جس کے لیے پہلی بار کھڑے ہوئے تھے اور اگر اُس کا خط آیا اور اس خط کی تعظیم کو

کھڑے ہو گئے تو یہ اور بالاتر تعظیم ہوئی اُس کی جس کا وہ خط ہے۔ اس لیے کہ اُس کی عظمت نے اتنی دور کے تعلق کے ساتھ بھی پورا اثر کیا معلوم ہوا کہ اُس کی عظمت نگاہ میں کامل ہے اس معیار پر اگر اللہ کے بندوں کی تعظیم اس بناء پر کی جا رہی ہے کہ یہ اللہ کے مخصوص بندے ہیں یا اُس کے پیغامبر ہیں یا اُس کی راہ میں اپنا گھر بار جان اولاد سب لٹانے والے ہیں تو یہ تعظیم خدا کی تعظیم سے الگ کب سمجھی جا سکتی ہے بلکہ یہ تو بڑا کامل درجہ ہوا اللہ کی عظمت کے احساس کا اس بناء پر وہ خدا کی ایک بلند عبادت قرار پائے گی۔

اللہ کے سوا دوسرے کو ہر بات پر قادر ماننا بے شک درست نہیں ہے لیکن اللہ کی دی ہوئی قدرت سے اُس کے حکم کے ماتحت مدد کرنے کا عقیدہ غلط نہیں سمجھا جا سکتا۔

جو حیات بعد الموت کے قائل نہیں ہیں اُن کا تذکرہ نہیں ہے لیکن روح کو جسمانی زندگی سے علیحدہ موجود ماننے والے رُوح کے احساسات کو زندگی سے زیادہ موت کے بعد کامل جاننے پر مجبور ہیں۔

اب جتنی قوی اور کامل رُوح ہو گی اُس کے ادراکات بعد موت اُتنے ہی زیادہ کامل ہوں گے اس لیے خدا کے نیک اور مقدس بندے بعد موت خدا کی دی ہوئی زندگی سے دیکھتے سُنتے اور سمجھتے ہیں۔ اسے شرک سے ہرگز کوئی نسبت نہیں ہے۔

جو لوگ شرک کی مثانے والی مقدس ذاتوں کو مصیبت کے وقت آواز دیتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی مشیئت کے بغیر یہ کوئی کام بھی انجام نہیں دیتے مگر وہ اپنی ناقص ہستیوں کو اس لائق نہیں جانتے کہ براہ راست اُس کی بارگاہ میں عرض معروض کریں اس لیے ادب اور تعظیم کے طور پر جو اُس کے نیک اور مقدس بندے ہیں اُن کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں وسیلہ کی محتاجی اُس حاکم حقیقی کو نہیں ہے۔ بلکہ ہم کو ہے۔ وہ تو ہماری آواز سُنتا ہی ہے۔ مگر ہم اپنی آواز کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ براہ راست اُس کو سنائیں۔ اُس نے پھر اپنے پاک بندوں کو سفارش کا منصب دیا ہے اس لیے نہیں کہ وہ بغیر اُن کی سفارش کے کچھ کر نہیں سکتا بلکہ اس لیے کہ ان نیک بندوں کا اعزاز اُس کی بارگاہ میں ثابت ہو اور دنیا والے اپنی حاجتوں اور مطلبوں ہی کی خاطر ان ڈیوڑھیوں پر آ نکلیں اور

اُن کو یاد کرلیں۔ اس یاد دہانی میں خلق خدا کا فائدہ ہے۔

جہاں جہاں قرآنی آیتوں میں مذمت ہے وہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے پکارنے کی ہے مگر سچے مُسلمان ہرگز خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو نہیں پکارتے وہ خدا ہی سے لو لگاتے ہیں جب اُس کے رسولؐ اور ائمہ کرامؑ کا واسطہ دیتے ہیں۔

شیطان کے وجود کا اقرار بھی شرک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ شرک کے معنی ہیں اللہ کے مخصوص اوصاف کو دوسرے کی جانب منسوب کرنا۔ لیکن شیطان کی طرف جو اوصاف منسوب کیے جاتے ہیں وہ تو صفات آلہی سے بالکل متضاد ہیں پھر اس سے شرک کیسے لازم آیا۔ یہ تو ایسا ہے جیسے ہم کہیں کہ۔

اللہ واجب ہے۔ ہم ممکن۔
اللہ قدیم ہے۔ ہم حادث۔
اللہ باقی ہے۔ ہم فانی۔
اللہ کامل ہے۔ ہم ناقص۔
اللہ عالم ہے۔ ہم جاہل۔
اللہ حکیم ہے ہم نادان۔

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم اللہ کے مدمقابل ہو گئے بلکہ اس سے نتیجہ تو یہ نکلا کہ جو اللہ ہے وہ ہم نہیں ہیں اس لیے اللہ اپنے اوصاف و کمالات میں واحد حقیقی ہے۔ بتلائیے یہ توحید ہے یا تثلیث۔ اسی صورت سے اُن اوصاف کو سمجھیے جو ابلیس کے لیے ثابت کئے جاتے ہیں۔

شیطان کو مُسلمانوں نے کیا مانا۔ ابلیس مانا، خناس مانا، جنات مانا برگشتہ فرشتہ مانا۔ پیٹ کے اندر مانا۔ حج میں رجم سے بھگاتے مانا۔ بہشت میں بہکاتے مانا۔ دنیا میں پھسلاتے مانا۔ ہر ایک کا ہم ساز مانا۔ نبیوں کا ہمراز مانا انسان کا ہم زاد مانا۔ پیر فرتوت مانا۔ سُن گن لینے آسمان پر جانا مانا۔ شہاب ثاقب کا نشانہ مانا۔

مگر ان میں سے کوئی صفت ایسی نہیں جو معاذ اللہ خالق کے لیے ثابت ہو پھر یہ سب کچھ مانا تو کیا مانا۔ اس سے تثلیث کیسے ہوئی اور شیطان خدا کا مثل و مانند کیسے بن گیا جو توحید کے بجائے شرک قرار پائے۔

ملائکہ کا ہم صفات۔ حی۔ ہمیشہ۔ دائم وقائم۔ حاضر و ناظر۔ بیت اللہ پر حاوی سواد کعبہ پر قابض۔ پیغمبروں کا ہمراز۔ معلم الملکوت۔ ملائکہ میں جالینوس ہرگز نہیں مانا گیا۔

وہ ناری ہے اور ملائکہ نوری پھر ہم صفات کہاں ہوئے۔ وہ مخلوق ہے اور قیامت کے پہلے اُسے بھی فنا ہے پھر حی ہمیشہ دائم وقائم کہاں ہوا۔ علم اُس کا ضرور کوتاہ اور قدرت محدود ہے۔ پیغمبروں پر ہرگز اُس کا قبضہ نہیں نہ اُن کے رازوں سے واقف ہے۔ فرشتوں کا معلم نہیں اور نہ اُن کا جالینوس ہے بُرائیوں کا بھی محرک ہے۔ خلاق نہیں ہے۔ پھر بتائیے خدا کا شریک کہاں سے ٹھہرا تو ہمات ہیں بے شک اکثر مہملات اور خرافات ہیں مگر اُن میں سے اکثر کو بھی شرک سے علاقہ نہیں۔ جو مانتے ہیں وہ اُس طرح جیسے دوا میں اثر قدرت کا مقرر کیا ہوا ہے پھر کیا دوا کی خاصیت کا قائل ہونا شرک کا مراوف ہے! یہ خیال کی پریشانی ہے کہ واہمہ کی خلاقی کو شرک کہتے کہتے کہنے والا خود واہمہ کی خلاقی ثابت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ خیال سے واہمہ کی خلاقی ظاہر ہے اسی لیے مشہور مقولہ ہے کہ واہمہ خلاق ہے۔ خواب میں بغیر اعضا کے دماغ کو احساس، یہ بھی واہمہ کی تخلیق ہے۔

اب اسے معلوم نہیں شرک سمجھنا چاہیے یا نہیں۔ خیالات کی بلندی اور پستی۔ صحت اور غلطی۔ دماغ کی صحت اور نفس انسانی کے کمال سے وابستہ ہے۔ مالیخولیائی، سودائی دماغوں کے خیالات حقیقت سے دور اور کامل عقل و نفس والے انسانوں کے خیالات حقیقت سے قریب اور اگر نفس انتہائی کامل ہو تو حقیقت سے بالکل مطابق ہوں گے۔

خدا کے پیغمبر انسانی قوائے عقلی میں کمال کے درجہ پر ہوتے ہیں اسے اُن کے عام حالات سے آزما لینا ضروری ہے پھر یہ نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ وحی یا فرشتہ کا خیال اُن کا بالکل وہم و خیال ہے۔ اور وہ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

بے شک تجلی اس معنی سے کہ خود اللہ کا جلوہ ظاہر ہو عقلاً محال ہے اس لیے اگر کوئی اس کا

دعوی کرے، تو وہ اُس کے قوت عقلیہ کے نقص کی دلیل ہے اس لیے یقیناً یہ صرف اُس کے واہمہ کی پیداوار سمجھی جائے گی اور اُسے خدا سمجھنا یا خدا کا شبیہ کرنا ضرور جاہلیت کا سودا اور دماغ کا فتور ہوگا۔

معجزہ

لغت میں "وہ بات جو عاجز کر دے" معجزہ ہے۔ اہل مذاہب کی اصطلاح میں خداوندی منصب جیسے نبوت، رسالت یا امامت کے عہدوں کے واسطے ان کے حامل کو جو غیر معمولی خصوصیات حاصل ہوں، جنہیں وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کریں وہ معجزہ ہیں۔ اگر کوئی غیر معمولی خصوصیت ایسی جو دلیل نبوت بن سکے نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر دعویدار کو سچا رسول، نبی یا امام مان لیا جائے۔

پیغمبر اسلام کا باقی اور دائمی معجزہ قرآن ہے۔ آپ نے عمومی حیثیت سے اسی کو ثبوت رسالت میں پیش کیا۔ یہ روایت نہیں درایت ہے۔ اور یہ تمام انبیاءؑ کے معجزات میں اُس کی امتیازی صفت ہے، رہ گئے دیگر انبیاءؑ کے معجزات وہ ہم تک بطور روایت پہنچے ہیں۔ ویسے معجزات ہمارے رسولؐ کے لیے بھی حاصل ہوئے اور ہم تک روایۃً پہنچے۔ شق القمر اسی طرح کا معجزہ ہے۔

قرآن کی آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ کا یہ ترجمہ کہ "قریب آگئی ساعت اور شق القمر" بالکل غلط ہے۔

جس عربی دان سے چاہے پوچھ لو ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ "قریب آگئی ساعت اور شق ہوا قمر"

روایات کے اختلاف سے اصل واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا وفات رسولؐ ایسی مُسلّم حقیقت مگر کس تاریخ پر وفات ہوئی مُسلمانوں میں عظیم اختلاف کا مرکز ہے۔

نماز ایسی مسلّمہ بات مگر رسولؐ نماز کس طرح پڑھتے تھے اس میں مسلمانوں میں بڑا اختلاف ہے۔

پھر جس طرح تاریخ کے اختلاف سے وفات رسولؐ کا اصل واقعہ مشکوک نہیں ہو سکتا۔ نماز کے خصوصیات میں اختلاف سے اصل حقیقت کہ رسولؐ نماز پڑھتے تھے محل انکار نہیں بن سکتی تو ویسے ہی صورت و کیفیت اور تفصیل کے اختلاف سے اصل واقعہ شق القمر کی صحت پر اثر نہیں پڑ سکتا جب کہ مجموعی حیثیت سے تمام روایات اُس کے وقوع پر متفق ہیں۔

چاند کی ہیئت مختلف مقامات کے دیکھنے والوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ سوائے قریب الافق مقامات کے ایک شکل و صورت پر ایک وقت میں چاند کہیں نظر نہیں آتا۔ عرب اور اُس کے قریب الافق مقامات میں تاریخ نگاری کا رواج بالکل نہیں تھا اُن کی تاریخ راویوں کے بیانات ہی سے مدوّن ہوئی ہے اور اسلام کے غلبہ کے بعد تمام لکھنے پڑھنے والے افراد اور تدوین و تصنیف کرنے والے لوگ اسلام لا چکے تھے۔ ان ہی راویوں نے اس واقعہ کی روایت بیان کی اور ہم تک پہنچی۔ غیر اسلامی جماعت کے افراد کی کوئی تاریخ تدوین کردہ اُس وقت کی موجود ہو اور اُس میں یہ واقعہ درج نہ ہو تو خیر اُس کی صحت پر کچھ اثر بھی پڑے۔

بہر حال یہ روایتی بحث ہے۔ اسلام اور نبوت رسولؐ کی بنیاد معجزۂ شق القمر پر ہر گز نہیں ہے۔ اُس کی بنیاد اُن عظیم الشان گوناگون معجزات پر ہے جو اس ایک قرآن عظیم میں مضمر ہیں۔ یہی ہزاروں معجزوں کا ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ کے واسطے رسولؐ کی تصدیق کے لیے بہترین دلیل اور حجت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خود قرآن میں موجود ہے کہ آنحضرتؐ کو معجزے عطا نہیں فرمائے گئے، ثبوت میں ۱۳ آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔ مگر ان آیتوں میں کہیں بھی معجزہ کی لفظ نہیں ہے۔ ان میں جو کچھ ہے وہ "آیات" اور "بینات" کی لفظ ہے۔ ان ہی کا ترجمہ "معجزہ" کے ساتھ کیا گیا ہے ان آیات سے معجزہ کی نفی کا ثبوت اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ قرآنی اصطلاح میں معجزہ کو "آیت" اور "بینہ" کہا جاتا ہے۔ اب اگر اس کو مان لیا جاتا ہے تو آپ کو قرآن مجید میں حسب ذیل ۲۸ مقام پر واضح اور صاف الفاظ میں ثبوت ملے گا کہ ہمارے رسولؐ کو بھی معجزات عطا ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۱	۱	بقرہ	یقیناً ہم نے اُتارے ہیں تم پر روشن معجزات، اور نہیں انکار کر سکتے ان کا مگر فاسق لوگ۔
۲	”	”	جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں ہم سے خدا بات نہیں کرتا یا کوئی خاص معجزہ کیوں نہیں اُترتا۔ ایسا ہی کہا تھا اُن لوگوں نے جو ان کے پہلے تھے ان کے ہی قول کی مثل یقیناً ہم نے معجزات ظاہر کئے اُن لوگوں کے لیے جو یقین لانے پر آمادہ ہیں۔
۳	۲	”	اگر تم نے لغزش کی بعد اس کے کہ معجزے تمہاری طرف آچکے تو جان لو کہ خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔
۴	۳	آل عمران	کیونکہ خدا راہ راست پر لائے گا اُن لوگوں کو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد پھر انکار کیا اور گواہی دی کہ رسول سچا ہے اور اُن کے پاس معجزے آئے۔ اور خدا ہدایت نہیں کرتا اُن لوگوں کی جو ظالم ہوں۔
۵	۷	انعام	ان لوگوں کے سامنے جو بھی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے آتا ہے۔ یہ اُس سے روگردانی ہی کرتے ہیں۔
۶	”	”	ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج ہوتا ہے ان لوگوں

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۶	۷	انعام	کی باتوں سے، یہ لوگ تمہاری ذات کو تھوڑی جھٹلاتے ہیں بلکہ وہ ظالم خدا کے معجزوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں۔
۷	〃	〃	جنہوں نے جھٹلایا ہمارے معجزوں کو یہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں، تاریکی میں بتلا ہیں۔
۸	〃	〃	جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو ہمارے معجزوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہو سلامتی ہے تمہارے واسطے، تمہارے پروردگار نے لازم کرلیا ہے اپنے اوپر رحمت کو،
۹	۸	〃	جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ویسی ہی باتیں نہ آئیں جو اور پیغمبروں کو ملی تھیں خدا خوب بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنا پیغام کس طرح بھیجے۔
۱۰	〃	〃	یقیناً آیا تمہارے پاس معجزہ تمہارے پروردگار کی جانب سے اور ہدایت ورحمت تو پھر کون شخص زیادہ ظالم ہوگا اُس سے کہ جو خدا کی طرف کے معجزات کی تکذیب کرے اور اُن سے روگردانی کرے۔
۱۱	۱۴	نحل	جب ہم کسی ایک معجزے کے بجائے بدل کر دوسرا معجزہ بھیج دیتے ہیں اور خدا زیادہ واقف ہے اس چیز کے متعلق جسے وہ اُتارتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ

مضمون	سورہ	پارہ	نمبر
تم تو اپنے دل سے گڑھتے ہو۔ بلکہ اکثر اُن میں سے علم نہیں رکھتے۔	نحل	۱۴	۱۱
وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے خدا کے معجزات پر خدا اُن کو جبراً راہِ راست تک نہیں پہنچائے گا اور اُن کے لیے دردناک سزا مقرر ہے۔	"	۱۴	۱۲
ہم اُن کو روزِ قیامت اندھا بہرا محشور کریں گے یہ اُن کا بدلا ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری طرف کے معجزوں کا انکار کیا۔	بنی اسرائیل	۱۵	۱۳
اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اُس کے پروردگار کی طرف کے معجزات کے ذریعے سے یاددہانی کی گئی مگر اُس نے روگردانی کی۔	کہف	"	۱۴
کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جس نے انکار کیا ہمارے معجزات کا۔	مریم	۱۶	۱۵
ہم نے اس کو اتارا ہے، روشن معجزوں کی حیثیت سے اور خدا ہدایت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔	حج	۱۷	۱۶
وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کی طرف کے معجزات پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک باتوں میں تیزی کرتے ہیں اور قدم آگے بڑھاتے ہیں۔	مؤمنون	۱۸	۱۷

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۱۸	۱۸	نور	سُورہ ہے جس کو ہم نے اُتارا اور مقرر کیا اور اس میں معجزات اُتارے کہ جو روشن ہیں۔
۱۹	//	//	یقیناً ہم نے تمہاری طرف اُتارے ہیں واضح معجزات اور ویسی ہی باتیں جو پہلے زمانہ کے لوگوں کو ملی تھیں اور موعظہ و نصیحت پرہیزگاروں کیلئے
۲۰	//	//	ہم نے اُتارے ہیں روشن معجزے اور خدا جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے۔
۲۱	۲۰	نمل	کہو الحمد للہ عنقریب ہم تمہیں معجزات دکھلائیں گے جنہیں تم پہچانتے ہو گے۔
۲۲	۲۳	صافات	جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔
۲۳	۲۴	مؤمن	دکھلا رہا ہے وہ اپنے معجزے۔ پس خدا کے کن کن معجزات کا تم انکار کرو گے۔
۲۴	۲۵	جاثیہ	جب ہمارے معجزات میں اُن کو کسی کا علم ہوتا ہے تو یہ اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اُن کے لیے ذلت آمیز سزا ہے۔
۲۵	۲۶	احقاف	جب اُن کے سامنے پیش کیئے جاتے ہیں ہمارے روشن معجزے تو جو لوگ انکار کرتے ہیں۔ وہ حق کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔
۲۶	۲۷	حدید	وہ اُتارتا ہے اپنے بندہ پر روشن معجزات تاکہ نکالے تمہیں تاریکی کے پردوں سے روشنی کی طرف۔

مضمون	سورہ	پارہ	نمبر
کہا عیسیٰ بن مریم نے کہ اے بنی اسرائیل میں خدا کا رسول ہوں تمہاری جانب تصدیق کرنے والا اُس توریت کی جو میرے قبل تھی اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا تو جب وہ آیا اُن کی طرف معجزات کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔	صف	۲۸	۲۷
نہیں اختلاف کیا اُن لوگوں نے کہ جنہیں کتاب عطا ہوئی ہے مگر بعد اس کے کہ ان کی طرف معجزہ آگیا۔	بیّنہ	۳۰	۲۸

ان تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت مآبؐ بھی اُسی طرح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے جس طرح سابق انبیاؑ معجزات کے ساتھ آئے تھے اب جب کہ اتنی آیتوں میں رسولؐ کو معجزوں کا عطا کیا جانا مذکور ہے تو غور کیجیے اُن چودہ (۱۴) آیتوں پر جو اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں کہ ہمارے رسولؐ کو معجزے نہیں عطا ہوئے۔

بات یہ ہے کہ سنت الٰہیہ یہ رہی کہ تمام انبیاؑ کے معجزے یکساں نہیں رہے بلکہ ہر نبی کو حکمت و مصلحت کے لحاظ سے مخصوص معجزات عطا ہوئے جو اُسی نبی سے خاص ہیں۔ رسولؐ کو بھی خدا کی طرف سے وہ معجزات عطا ہوئے جو آپ کے ساتھ خاص ہیں۔

مشرک لوگ عناد اور تعصب سے ان تمام معجزوں سے سرتابی کرتے ہوئے کبھی مضحکہ کے انداز پر اور کبھی بہانہ کے طور پر نئے نئے معجزوں کی فرمائش کرتے تھے۔ حقیقت طلبی کے جذبہ سے نہیں بلکہ صرف اپنے انکار کی سخن پروری کے لیے۔ اور کبھی یہ چاہتے تھے کہ بالکل وہی معجزے جو سابق انبیاؑ کو مل چکے ہیں وہ ان کو بھی دیئے جائیں۔ ان کے جواب میں کبھی یہ کہا گیا ہے کہ یہ معجزات

پہلے انبیاءؑ پر آچکے ہیں اور لوگوں نے تکذیب کی۔ پھر اب ان ہی معجزات سے کیا فائدہ اور کبھی یہ کہا گیا کہ اگر یہ معجزے دیکھو گے تب بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے۔ اور کبھی یہ کہا گیا کہ معجزے تمہارے سامنے موجود ہیں اگر تم ایمان لانا چاہو تو وہ کافی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر فرد کی فرمائش پر معجزہ ہی ہونے لگے تو معجزہ بازیچۂ اطفال بن جائے اور اُس کی غیر معمولی عظمت و اہمیت باقی نہ رہے۔

اب اُن آیتوں پر الگ الگ نظر ڈالیئے۔ خود اُن کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یہ خاص فرمائشی معجزات سے متعلق ہیں۔

(۱) کہتے ہیں کہ خدا نے تو ہم سے عہد کیا ہے کہ جب تک کوئی رسولؐ یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور اس کو آسمانی آگ آکر چٹ کر جائے اُس وقت تک ہم ایمان نہ لائیں گے۔ تم کہدو کہ بہت پیغمبر مجھ سے قبل تمہارے پاس واضح اور روشن معجزات اور جس چیز کی تم نے فرمائش کی ہے لے کر آئے تم نے قتل کر ڈالا۔

(۲) کہتے ہیں کہ اس نبی پر اُس کے پروردگار کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ تم کہدو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کے قبل یہ موجود ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان لوگوں کے اقوال سے تمہیں صدمہ پہنچتا ہے یہ لوگ فقط تمہاری ہی تکذیب تھوڑی کرتے ہیں بلکہ خدا کے معجزوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ آیت ہے کہ جو لوگ ہمارے معجزوں کی تکذیب کرتے ہیں یہ تاریکیوں میں اندھے اور گونگے ہیں۔

ان دونوں پہلے اور بعد کی آیتوں سے ظاہر ہے کہ معجزے موجود تھے مگر وہ لوگ انکار کرتے تھے۔ اب جو درمیان کی آیت میں یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیوں نہیں اُترتا تو ضرور اس سے خاص معجزہ مراد ہے جو اُن کی خواہش کے مطابق ہو۔ مطلق معجزہ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۳) ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اُن کے پاس کوئی معجزہ آئے تو

ضرور اُس پر ایمان لائیں گے ، کہو کہ معجزہ تو بس خدا ہی کے پاس ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ معجزے آئیں گے تو یہ ایمان نہ لائیں گے ۔ اور ہم اُن کی آنکھیں اُلٹ پلٹ کر دیں گے ۔"

کتنے غضب کی بات ہے کہ ترجمہ لکھ کر اتنا چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ اس لیے کہ بعد کا ٹکڑا مقصد کے لیے مُضر ہے ۔

آخری فقرہ کو اس طرح ملا کر پڑھیے " اور ہم ان کی آنکھیں اُلٹ پلٹ کر دیں گے جس طرح یہ لوگ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور چھوڑ دیں گے اُن کو سرکشی میں اُن کی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے ۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے معجزہ آیا اور یہ لوگ ایمان نہیں لائے اور اب ان کی خواہش صرف سرکشی اور عناد پر مبنی ہے ۔ اسی لیے اُن کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا ۔

(۴) جب تم اُن کے پاس کوئی خاص معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے اسی کو کیوں نہ منتخب کیا ، تم کہہ دو کہ میں تو بس وحی کا پابند ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتی ہے ۔"

اس آیت سے کسی طرح مطلب نکل ہی نہیں سکتا تھا جب تک اس کے معنی میں ترمیم نہ کی جائے ۔

اس لیے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ " جب تم اُن کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے اُسے کیوں نہیں بنا لیا ۔"

آیت میں یہ لفظ ہے (لولا اجتبیتھا) اجتباء کے معنی بنانے کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اجتباء کے معنی منتخب کرنے کے ہیں اور انتخاب کی لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے معجزات اُن کے سامنے موجود تھے مگر وہ یہ چاہتے تھے کہ جو معجزہ وہ کہہ رہے ہیں وہی پیش کیا جائے ۔ اس لیے وہ کہتے تھے کہ آپ نے بجائے دوسرے معجزات کے اسی کو کیوں نہ منتخب کیا ۔

(۵) کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا ؟ تو تم کہہ دو کہ غیب تو صرف خدا کے واسطے خاص ہے ۔" اس میں اصل آیت میں اتنا ٹکڑا اور ہے ۔" بس انتظار کرو میں بھی

تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"

انتظار اُسی بات کا ہوتا ہے جو آئندہ ہونے والی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں مطلوبہ معجزہ کا انکار نہیں کیا گیا ہے بلکہ آئندہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور چونکہ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ معجزہ ضرور ظاہر ہوا۔

(۶) یہ لوگ کہہ بیٹھیں کہ خزانہ کیوں نہیں نازل کیا یا اُس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہ آیا۔ تو تم صرف ڈرانے والے ہو، خدا ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔" اس میں تو معجزہ کا کہیں نام بھی نہیں ہے بلکہ دو خاص باتوں کا ذکر ہے، ایک خزانہ نازل ہونا اور دوسرے ان کے ساتھ فرشتہ کا لوگوں کے سامنے آنا۔ ان دونوں باتوں کی نفی سے مطلق معجزہ کا انکار کہاں ثابت ہوتا ہے۔

(۷) تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یا کھجوروں کا اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اُن میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھا دو۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے، ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو۔ یا خدا اور فرشتوں کو گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے لیے کوئی طلائی محلسرا ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم اُسے خود پڑھ بھی لیں اُس وقت تک ہم تمہارے قائل نہ ہوں گے۔ تم کہدو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی رسول کے سوا اور آخر کیا ہوں" اس میں بھی تمام تر فرمائشی معجزات کا تذکرہ ہے اور مطلق معجزہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۸) کہتے ہیں کہ یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ تو کیا اگلی کتابوں میں اُن کے پاس نہیں پہنچے" یہ ترجمہ بھی غلط ہے اور بالکل بے معنی ہے۔

آخری فقرہ کا آیت کے ترجمہ یہ ہے کہ "کیا اگلی کتابوں میں جو کچھ تھا۔ اُس کا ثبوت (بینہ) ان کے پاس آیا نہیں۔

اس سے تو بینہ یعنی دلیل نبوت کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ معجزہ کی نفی کہاں ثابت ہوتی ہے۔

(۹) جس طرح کے اگلے پیغمبر معجزے لائے تھے ویسا ہی کوئی معجزہ یہ بھی کیوں نہیں لاتا۔ ان سے پہلے ہم نے جن بستیوں کو تباہ کر ڈالا وہ اُن معجزات پر ایمان نہیں لائے تو کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے۔"

اس میں بھی اُن ہی خاص طرح کے معجزات کا مطالبہ کیا گیا ہے جو پہلے انبیاؑ پر اُتر چکے تھے اور اُن ہی کا انکار کیا گیا ہے۔

(۱۰) "جب حق اُن کے پاس پہنچا تو کہنے لگے جیسے موسیٰؑ کو معجزے عطا ہوئے ویسے ہی اس رسولؐ کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ کیا جو معجزے موسیٰؑ کو عطا ہوئے تھے اُن سے اُن لوگوں نے انکار نہ کیا تھا۔" اس میں تو خاص حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا تذکرہ ہے۔

(۱۱) کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوئے۔ کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔" اس کے پہلے آیت موجود ہے کہ "یہ روشن معجزات ہیں اُن لوگوں کے دلوں میں جو صاحبان علم ہیں اور ہمارے معجزات کا انکار وہی کرتے ہیں کہ جو ظالم ہیں۔"

اس سے صاف طور پر معجزوں کا ثبوت ہوتا ہے۔ اب اگر اسی کے بعد اُس جماعت کا انکار مذکور ہے تو یہ صرف اُن کی ہٹ دھرمی کا اظہار ہے۔

جب کہ ۲۸ جگہ قرآن میں صاف معجزات کا ثبوت موجود ہے اور گیارہ آیتیں اُن چودہ آیات میں سے جو معجزوں کی نفی کے متعلق پیش کی گئی ہیں وہ صرف فرمائشی معجزات سے متعلق ہے اور خود اُن میں ایسے ضمیمے اور قرائن موجود ہیں جو معجزات کے وجود کا پتہ دیتے ہیں تو اگر دو تین آیتوں میں صرف یہ الفاظ نظر آئیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیوں نہیں دکھایا جاتا، تو ماننا پڑے گا کہ یہاں بھی مراد خاص مطلوبہ معجزات ہیں اور کچھ نہیں۔

اُصُولِ دین

اوّل توحید :

خدا ایک ہے اُس کا شریک کوئی نہیں۔

قدرت جو کائنات کے ذرہ ذرّہ میں شامل ہے ذات قادر کا پتہ دے رہی ہے اس حیثیت سے اُسی کو قدرت بھی کہہ سکتے ہو کہ اُس کی ذات سے الگ قدرت کوئی چیز نہیں

دوّم عدل :

خدا عادل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک طرف رحیم وغفار ہے اور دوسری طرف قہار۔ عذاب نازل کرنا عدل کا نتیجہ ہے۔ عاصیوں کے گناہوں کی پاداش معصوموں کو نہیں ملتی۔ جو عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں وہ یا گناہ کرنے سے یا بخوشی گنہگاروں کا ساتھ دینے سے۔ رحم بھی عدل کے حدود کے ماتحت ہوتا ہے۔ اتفاقی گناہ کا مرتکب جب کہ دل سے پشیمان ہوا تو رحم کا حقدار ہے اس استحقاق کے درجے مختلف ہیں۔ سرکش اور گناہ پر اصرار رکھنے والا آدمی رحمت کا حقدار نہیں نہ اُس پر رحمت کی بارش ہے، وہ قہر کا مستوجب ہے اور یہ قہر بھی عدالت کا نتیجہ ہے۔ محل اور موقع جداگانہ ہے۔ ہر ایک کا کردار جدا اور اُس کے ساتھ برتاؤ بھی الگ ہے، یہی عین عدالت ہے بے شک عزت وذلت، بادشاہت اور فقیری، دینا اور لینا، فراغت اور بے فکری سب خدا کے چاہنے سے ہوتی ہے مگر اُس کا چاہنا حکمت و عدالت کے اصُول کے موافق ہوتا ہے۔

کُفّار کی جسمانی طاقت مقابلہ بھی اُسی کی دی ہوئی ہے اگر اُس نے اُن کے مقابلہ میں اپنے رسولؐ کو فرشتوں کی غیبی طاقت عطا کر کے توازن قائم کر دیا تو اصُول عدالت کے خلاف کیا ہے ؟

کفار کی شرارتوں اور فساد کی طاقتوں کو شکست دینا جس طرح بھی ہو صلاح عالم کا ذریعہ ہے جو عین حکمت کے مطابق ہے۔ عدالت اصول حکمت و مصلحت کے لحاظ ہی کا نام ہے جو شئے موافق حکمت ہو وہی عدالت ہے۔

جب تک انسان طالب حقیقت رہتا ہے خدا مدد کرتا ہے اور ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ جب انسان ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے تو خدا اُس کی پاداش میں اپنی نگاہ موڑ لیتا ہے اور گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بد اعمالی کی ایک سزا ہے جو اُصول عدالت کے مُطابق ہے۔ اس نگاہ موڑ لینے کے بعد دلوں کے مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے اسی کا نام ڈھیل دینا ہے۔ اُلٹ پلٹ کرنا بھی کرتوتوں کی بدولت ہے تو عدالت کے خلاف کیا ہے۔ بے شک خدا چاہتا تو جبری طاقت سے کام لیتا، اس صورت میں یہ لوگ شرک نہ کرتے مگر یہ جبر کرنا اصول عدالت کے خلاف ہوتا۔ اسی طرح وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر ایسا بھی عدالت ہی کی بنا پر نہ ہوا۔ وہ چاہتا تو ایک ہی گروہ بنا دیتا مگر اُسے تو ہر ایک کے اختیار عمل کے مُطابق اُس سے سُلوک کرنا ہے۔ جو اپنے اختیار سے گمراہی پر مصر ہیں خدا انہیں گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، خدا کی توفیق سلب ہونے سے غفلت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ یہ آنکھوں پر پردوں کا پڑنا ہے اور بیشک جو اتنا بد اعمال ہو کہ خدا اُسے گمراہی کے سپرد رہنے دے اور ہدایت سے ہاتھ اُٹھا لے تو پھر کون اُسے راہ راست پر لا سکتا ہے۔ کوئی اُسے راہ پر لانے والا نہیں۔ کیونکہ اُس کا عناد اور اصرار ہدایت کی آواز پر رُخ ہی نہیں کرنے دے گا۔

اس سے کیا حرف آسکتا ہے اُس قدرت کاملہ کے انصاف پر جو کامل عقل اور مکمل عدل ہے۔

سوم نبوّت :

نبی کی تصدیق اُن خصوصی دلائل اور آیات و بیّنات کے ذریعہ سے ہو گی جو اُس کے کمال صفات اور بلندی ذات اور خداوندی انتساب کے شاہد ہیں انہی دلائل سے اُس کے بشیر و نذیر ہونے میں اثر پیدا ہوگا۔ جو اُس کے دلائل سے ایمان نہ لائے گا وہ اُس کے بشارت و انذار سے اثر پذیر بھی نہیں ہو گا۔

چہارم امامت :

پیغمبرؐ کی جانشینی ہے اس لیے پیغمبرؐ کی زبان سے نام کا اعلان کافی ہے ۔ قرآن تو مجمل ہدایات کا مجموعہ ہے جس کی تفصیل پیغمبرؐ کے قول و عمل سے ہوئی ہے ۔ اسی لیے ہم تنہا قرآن کو ہدایت کے لیے کافی نہیں سمجھتے پھر جو شخص کہ قرآن کو بنی امیہ کی تالیف بتاتا ہو اُسے تو قرآن میں ائمہ کے نام ڈھونڈنے کا کوئی موقع ہی نہیں ۔ بقول شخصے " قلم در کف دشمن است ، بنی امیہ کی تالیف اور اُس میں ہمارے ائمہ کے نام ، یہ غلط خیال و محال ہے ۔

پنجم معاد :

یہ جزا و سزا کے لیے انسانوں کی بازگشت ہے ۔ اس کے ثبوت کے لیے عقل کا فیصلہ ہے تفصیلی حالات اور بہشت و دوزخ کے کیفیات بے شک نبی کی زبان سے معلوم ہوئے ۔ مگر نبی کی سچائی اُن کے دلائل نبوت سے جب حاصل ہے تو آئندہ کے لیے اُن کا قول ہر طرح سند ہے واقفیت کے لیے اُن کا بتلانا کافی ہے ۔ خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا ایسے ہی قیامت کو سمجھ لو ۔

فروعِ دین

اوّل نماز :

خدا کے حکم کی پابندی کے لیے اُس کی بارگاہ میں تھوڑی دیر کی حاضری ہے ۔ بے سمجھے ہوئے بھی پڑھتے ہیں صرف حکم کی پابندی کے لیے ۔ یہ بھی عین فرض شناسی ہے جو عبادت کی حقیقت ہے ۔

دوسرے روزہ !

بے شک صحت و برداشت کے ساتھ ہے مگر بیماری کے لیے اصلیت درکار ہے۔ بہانہ بازوں کا اعتبار نہیں۔

تیسرے حج !

استطاعت کی صورت میں فرض ہے مگر بغیر استطاعت بھی قبول ہے
بہت سوں کو جب ایک دفعہ عمر بھر میں استطاعت حاصل ہو گئی تو پھر چاہے روپیہ اُڑ جائے، حیثیت لٹ جائے حج کا فرض عائد ہے۔ ایسے بہت کم ہوں گے جنہیں عمر بھر میں ایک دفعہ بھی اتنی استطاعت نہیں ہوئی۔

چوتھے زکوٰۃ !

مقدرت کیسی، مخصوص مقدار سے زیادہ روپیہ کو ایک سال تک روکے رہنے پر واجب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ چلتا پھرتا رہے۔ کام میں لگا رہے ایک جگہ بند کر کے نہ رکھا جائے۔

پانچویں خمس !

مصارف اُس کے مقرر ہیں۔ اب بھی موجود ہیں۔ یہ فروع محل نظر ہے۔

چھٹے جہاد !

خود سے پیش قدمی کرنا ہو تو اجازت امام درکار ہے مگر مدافعانہ جنگ کا دروازہ کھلا ہے۔ حفاظت خود اختیاری کے لیے قوم و ملت کی جانب سے جہاد میں اجازت امام کی ضرورت نہیں ہے۔

امامت

بارھویں امام علیہ السلام کی حیات کے لیے عقلی دلائل کی تلاش ہے، عقل بتلاتی ہے کہ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ رسول کی پیشین گوئی جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ قطعی دلائل سے ثابت ہو جانے والے پیشوایان اور ائمہ معصومینؑ کی بات مہمل نہیں ہو سکتی۔

زندگی اور موت دونوں ممکن الوقوع باتیں ہیں۔ ہر ممکن کے ثبوت یا نفی کی تعیین ذرائع اطلاع سے ہوتی ہے۔ بارھویں امام کی زندگی کے لیے خبریں موجود ہیں۔ موت کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے عقل کا فیصلہ ثبوت کے حق میں ہے۔

یاد رہے کہ امکانی حوادث میں عقلی دلائل صرف امکان سے متعلق ہو سکتے ہیں وقوع سے نہیں۔ روزمرّہ کے ہونے والے حوادث میں بھی دلیل عقلی سے وقوع کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زید کی عمر ساٹھ برس ہونا کس عقلی دلیل سے ثابت ہے؟ اُس کے باپ کی عمر پچاس سال ہونا۔ اُس کے دادا کی عمر پینسٹھ سال ہونا۔ اس کے کسی بھائی کا صرف بیس برس کی عمر میں انتقال ہو جانا۔ اُس کے کسی فرزند کا تین ہی برس کی عمر میں باپ کو داغ جدائی دے دینا۔ اُس کے ایک بچہ کا شیرخوارگی ہی کے عالم میں رخصت ہو جانا وغیرہ ان تمام واقعات کو اور اس افتراق حالات کو اگر عقلی معیار سے جانچنے کی کوشش کی جائے تو دلائل ساتھ چھوڑ دیں گے، حجت و برہان جواب دے دیں گے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ جب ان حوادث روزگار میں کسی ایک کے عقلی ثبوت کا مطالبہ کیا جائے تو اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی غیر ممکن اور محال نہیں ہے پھر جب معتبر اشخاص نے اُس کے وقوع کو بیان کیا اور متعلقہ افراد نے جو واقف ہو سکتے تھے تجربہ کیا ہے تو یہی ذریعہ اُس کے وقوع کے تسلیم کرنے کا ہے۔

عُمر کے متعلق جہاں تک غور کیا گیا عقلائے عالم، حکمائے زمانہ، اطبائے دہر شروع سے اب تک اس کا کوئی معیار ہی نہیں مقرر کر سکے ہیں کہ کس بناء پر کس کی عمر زیادہ اور کس کی کم ہوتی ہے اور یہ کہ واقعی اس کی ایک منضبط حد کیا ہے پھر جب عقلی حیثیت سے اس کا کوئی معیار ہی نہیں مقرر

ہو سکا تو اُس میں حد بندی کا حق کیا ہے کہ اتنی عمر تو ہو سکتی ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔ رہ گیا مشاہدہ تو حوادث کائنات میں ہر زمانہ میں ایسی صورتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں جن کے مثل مشاہدہ اس کے قبل نہ ہوا تھا حالانکہ اگر صرف مشاہدہ کی بناء پر ہم کوئی مقدار مقرر کریں تو ہو بھی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کریں گے اُس میں کوئی ایک فرد غیر معمولی ضرور ہوگی۔

کوئی کتنا ہی جیئے، چاہے ہزاروں برس کی عمر ہو پھر بھی آخر میں تو یہ زندگی ختم ہونا ہے قرآن ٹھیک کہہ رہا ہے کہ کسی بشر کو سدا کی زندگی نہیں دی گئی " سدا یعنی ہمیشہ کی زندگی کسی کو بھی نہیں۔

تاریخی مشاہدے :

دو ہزار برس یا اس کے پہلے سے تاریخی دور ہے۔ اس مدت میں بہت سوں کے متعلق تاریخ غیر معمولی طور پر طولانی عُمر کا پتہ دیتی ہے۔

نام شخص	عُمر	نام شخص	عُمر
شریح قاضی	۱۲۱ سال	عمرو بن المسیح	۱۵۰ سال
ارطاۃ بن سہیہ	۱۳۰ "	قردۃ بن نفاثہ سلولی	۱۵۰ "
فرزدق شاعر	۱۳۰ "	معاذ بن مُسلم ہراء	۱۵۰ "
منقذ بن عمرو	۱۳۰ "	ابو رہم بن مطعم	۱۵۰ "
ابو عثمان النہدی	۱۳۰ "	بحر بن حارث کلبی	۱۶۰ "
جبیر بن اسود	۱۳۴ "	بشر بن معاذ توزی	۱۶۰ "
لبید بن ربیعہ	۱۴۰ "	میمون بن حریز	۱۷۵ "
طفیل بن زید حارثی	۱۴۰ "	صبیرہ بن سعد	۱۸۰ "
طفیل بن یزید مازنی	۱۴۰ "	نابغہ جعدی	۱۸۰ "
قیس بن سائب	۱۴۰ "	اوس بن حارثہ بن لام طائی	۲۰۰ "
جابر بن عبداللہ عقیلی	۱۵۰ "	حنظلہ بن شرقی	۲۰۰ "

نام شخص	عمر
زربن حبیش	۲۱۲ سال
علید بن شریہ	۲۴۰
سلمان فارسی	۲۵۰ //
حنظر بن مالک	۲۸۰ //
عمرو بن صمہ	۳۰۰ //
امانات بن قیس بن شیبان	۳۲۰ سال
جہتہ بن عوف	۳۶۰ //
شیخ یمن	۳۹۰ //
جبیر بن حارث	۵۷۰ //
زریب بن ثرملا	۱۹۰۰ //

یہ چند واقعات ہیں جو سر دست عرب کی تاریخ سے پیش نظر ہیں۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ اور ایران کے سلاطین کی تاریخ میں ایک ایک کی عمر سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک کی مندرج ملتی ہے۔

اب کوئی ان سب کا انکار کرے اور پھر کہے کہ "بتائیے تاریخ میں کس کو زندگی کے لیے یہ دن نصیب ہوئے ہیں" تو اس کا کیا علاج ہے۔

فطرت کا کوئی آئین ایسا منضبط نہیں دکھلایا جا سکتا جس کی بناء پر عمر کے لیے خاص مدت ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ قدرت کا قانون ہے کہ بچہ جوان ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے کیا مشاہدہ کے سوا کسی عقلی استدلال پر مبنی ہے؟ پھر مشاہدہ کا حال تو اس کے پہلے معلوم ہو چکا۔

"جوان ہو کر بوڑھا ہوتا ہے" مگر جوانی کتنے دن تک قائم رہ سکتی ہے اس کا کوئی کلیہ اور اصول نہیں۔

فطرت کے آئین ہیں کہ بڑھاپے میں اعضاء روز بروز مضمحل ہوتے ہوتے روح فراہم کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر بڑھاپا کب آجائے گا۔ یہ عمر کے لحاظ سے مختلف ہے، پھر جب کہ عمر کی کوئی میعاد نہیں تو بڑھاپے کی حد کون مقرر کر سکتا ہے۔

فطرت کا آئین جو واقعات کی بناء پر ثابت ہے اس آئین کا انضباط خود مٹنے ہوئے غیر معمولی واقعات کی تصدیق اور تکذیب پر ہے لہٰذا اگر ان واقعات کو تسلیم کر لیا جائے تو خود آئین

اُتنے وسیع ہو جائیں گے اور تکذیب کی جائے تو محدود آئین مختصر۔

اس صورت میں خود آئین اُس واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کا معیار کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

قدرت کے قاعدوں کی کوئی نقلی کتاب ہرگز نہیں ہے۔ اگر ہے تو واقعاتی کتاب جس کے سطور حوادث کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ اگر کوئی واقعہ غیر معمولی صورت پر ہوا ہے تو وہ بھی اُس کتاب کا ایک جزو ہے۔ اس کا انکار کر دینا اُس کتاب کی ایک سطر کو چھیل دینا یا محو کر دینا ہے۔

ذاتی تجربے؟ اللہ اللہ کہاں عالم کی وسیع اور لا محدود کائنات اور کہاں انسان کا محدود تجربہ۔ اگر انسان کے محدود تجربہ ہی میں "قضا کی فضا" کو محدود کر دیا جائے تو گولر کے بھنگے کی دنیا بے شک گولر کی اندرونی محدود فضا ہی ہے۔

انسان اشرف المخلوقات، صرف اس لیے ہے کہ وہ اپنی جہالت کا احساس کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے اور اگر کہیں وہ اپنے کو جہانیاں جہاں گشت محقق ماضی و حال، مستقبل اندیش، نکتہ رس، حقیقت آشنا سمجھ کر طلب سے قدم روک بیٹھا اور کائنات کو اپنے محدود تجربوں اور مشاہدوں کا پابند سمجھنے لگا تو وہ ہرگز گولر کے بھنگے اور کنوئیں کے مینڈک یا فضا کے بلند پرواز تیز نظر گدھ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ بے شک عقیدہ عقل کے مطابق ہے اور عقل بتلاتی ہے کہ خالق قوی جس کسی کی قوت کو چاہے جتنی مدت تک برقرار رکھے۔ اس میں ہمارا اور کسی کا دخل نہیں ہے۔ جن چیزوں کو ضروریات زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اوّل تو عقلی حیثیت سے ضروریات زندگی نہیں بلکہ اس دنیا کی کثیف و ثقیل غذاؤں کے پیدا کردہ ضروریات ہیں۔ دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے کسی خاص عمر کی حد نہیں مقرر ہے۔ وہ قوائے طبعی کے سلامت رہنے کے ساتھ بہر حال پورے ہو سکتے ہیں۔

گمراہی کا دور انبیاء و مرسلینؑ کی موجودگی میں بھی رہا۔ ائمہ کے زمانہ میں بھی رہا۔ اب بھی ہے۔ ہدایت پانے والے جب بھی ہدایت پاتے تھے اب بھی ہدایت پاتے ہیں۔ امامت گیارہ اماموںؑ کی زمانہ والوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کے باعث، باستثنیٰ ۔۔۔ رہی مگر وہ بزرگوار برابر کسی نہ کسی پردہ

ہیں ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے اسی طرح بارھویں امام بھی اپنا فرض انجام دیتے ہیں جو حاصل اُن اماموں کا تھا وہی اس امامت کا بھی ہے اور یہی عدل الٰہی کا تقاضا ہے۔

نماز

خدا کے حضور اُس کی حمد اپنی عبودیت سے اقبال، نعمتوں کا شکریہ، مدعا کا اظہار ہے۔ دوگانہ ہو یا پنجگانہ۔ یا جماعت اسلام میں باہم یک جہتی قائم کرنے کو وضع کی گئی ہے۔ اسی یکجہتی کے قائم رکھنے کے لیے اُس کے لیے مخصوص الفاظ خاص عربی زبان کے مقرر کردیئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ آپس کی زبانوں کے باہمی اختلاف کے باوجود ایک متحدہ قوت کا رمز و نشان رہے حضور قلب اس تصور سے متعلق ہے کہ یہ کس بزرگ مرتبہ ذات کی عبودیت کا مظاہرہ ہے۔ جتنا یہ احساس قوی ہوگا اتنا ہی حضور قلب اور خضوع و خشوع زیادہ ہوگا۔ اِدھر اُدھر کے دھیان دل میں نہ آئیں گے۔ اس کا زبان فہمی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو عربی جاننے اور سمجھنے والے سب ہی نماز کو اعلیٰ درجہ کے حضور قلب سے ادا کرتے مگر ایسا نہیں ہے ہزاروں عالم فاضل، عربی دان طالب علم بھی اگر موقع کا صحیح احساس نہیں رکھتے تو دل و دماغ اُن کے یکسو نہیں رہتے اور ہزاروں میں ایک بھی حضور قلب سے نہیں پڑھتا۔ یہ معرفت خدا کے نقص کا نتیجہ ہے عربی دانی یا غیر عربی دانی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

بے سمجھے بھی اگر اس احساس کے ساتھ پڑھتا ہے کہ اُس کے مالک کا عائد کردہ فریضہ ہے تو بھی عین عبادت ہے۔ دربار قدرت میں اس کی بڑی وقعت ہے اور اس عبادت کی بڑی عزت ہے کیونکہ وہ فرض شناسی کا نتیجہ ہے۔ سوسائٹی میں بھی اُس کی بیحد عزت ہے۔ رہ گئی دنیا سازی بہ نیت سے وابستہ ہے۔ اور نیت کا حال بس خدا کو معلوم ہے۔

تقلید

زندگی کے ہر شعبہ میں ناواقف آدمی کا بہتر سے بہتر واقفکار آدمی کو تلاش کر کے اُس پر

بھروسا کرنا اور اُس کے کہے پر عمل کرنا ایک عقلی ناقابل انکار اُصول ہے بیماری میں حکیم ڈاکٹر۔ مقدمہ کی کشمکش میں بہترین وکیل اور بیرسٹر۔ مکان کی تعمیر میں ماہر فن انجینیر، غرض ہر کام میں جو اُس کا ماہر ہو اُسے اپنا علاج دو درمان سپرد کیا جائے گا۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ واقف کار اور ماہر شخص کی تلاش میں خوب عقل سے سوچ سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ آنکھ بند کر کے ہر ایک کے کہے پر نہ چلنا ورنہ گھاٹے میں رہو گے لیکن جب کسی ایک کو اُس شعبہ کا ماہر سمجھ لیا تو پھر اُس کی ہدایتوں میں میخیں نہ نکالو۔ اُس کی رہنمائی پر عمل کرو یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اُس کے کہے پر چل کر غلطی بھی کی تو اپنا بھی ضمیر مطمئن ہوگا اور دوسروں کو بھی اعتراض کا حق نہ ہوگا اور جو اُس کے کہے کے خلاف کیا اور ٹھوکر کھائی تو خود اپنے نزدیک مجرم اور خلق کے نزدیک ملزم ہو گے۔ نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ اسی کا نام ہے۔

تقیّہ

تقیہ اور نفاق ہرگز ایک چیز نہیں۔ نفاق باطن کا خراب ہونا اور ظاہر کا درست ہونا ہے اور تقیہ کیا ہے باطن کا صحیح رکھنا اور ظاہر میں اُس پر پردہ ڈالنا نقصان سے بچنے بچانے کو۔ حفاظت خود اختیاری تقیہ ہے جو عقل اور مذہب کا تقاضا ہے اُس وقت جب دین اور ایمان کی حفاظت اظہار حقیقت پر منحصر نہ ہو گئی ہو ورنہ دین کی حفاظت کے لیے جان کا دے دینا شان ایمان کا ہو گا۔ بے شک شہید کربلا نے اس کی مثال پیش کر دی ہے۔

استخارہ

نہ مذہب کے اُصول میں سے ہے۔ نہ فروع سے، بے شک اماموں کی زبان سے نقل کیا ہوا حیرت اور سرگشتگی کے دُور کرنے کا، خدا سے لو لگا کر یکسوئی حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس کا محل وہی ہے جب عقل بالکل کام نہ کرے، رائے مشورے سے بھی کوئی صورت نہ نکلے اُس

وقت رائے کو سہارا۔ اضطراب کو تسلی دینے کے لیے بہترین صورت ہے۔ بے شک جاہلوں نے اس کا بیجا استعمال کیا ہے اور بہت سی صورتوں میں صرف ایک رسم بنالیا ہے۔ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

فاتحہ دُرود

اس موقع کے زیادہ تر کام مذہبی نہیں، رواجی ہیں۔ غریبوں کی اعانت، اُمورِ خیر کی انجام دہی ہر صورت بہتر ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہوتا ہے وہ ڈھکوسلا ہے اپنے سے نہ ہو تو اُجرت دے کر دوسرے سے میّت کے لیے نماز پڑھوانا، روزے رکھوانا اپنی طرف سے ایک مالی قربانی ہے۔ اس لیے اُس کا ثواب ہے۔

بے ادبی اور گستاخی اس میں کیا ہے کی؟

بے شک اور سب رسمیں اسراف ہیں۔

قرآن کی تلاوت کو ترتیل کے ساتھ ہونے کی ہدایت کرو۔ اچھا ہے مگر سرے سے اڑانا کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

روح کے خود جسم تو نہیں مگر وہ جوہر ہے جو جسم سے متعلق ہوتا ہے۔ جسم سے الگ ہو کر اُس کے ادراکات میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ مادیت کے شکنجہ سے رہا ہو چکی ہے۔ اس لیے اُسے اچھے کاموں سے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آئے تو اسی کو ثواب سمجھ لو۔ اس مسرت کا حصُول ایک بہترین تحفہ ہے۔

یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں کہ دنیا کی چیزیں بجنسہٖ میّت کو پہنچتی اور اُس کے لیے کارآمد ہوتی ہیں۔ وہ عالم دوسرا ہے اور وہاں کی چیزیں وہاں کے اعتبار سے ہیں۔

ذبیحہ

قدرت کا یہ منشا بے شک نہیں ہے کہ انسان کے لیے گوشت کھانا لازمی ہے لیکن قدرت نے جس بات کا انسان کو موقع دیا ہے اُس کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اور یہ نظام قرار دیا ہے کہ ہر پست چیز بلند کی تربیت کے لیے اپنے کو فنا کر کے ترقی کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ زمین کے ذرّے قوّت نباتی سے اپنی ہستی کو فنا کر کے پودے میں شامل کرتے ہیں تو نباتات کی پیدائش ہوتی ہے۔ نباتات اپنے کو غذا بناتے ہیں تو حیوان کی پرورش ہوتی ہے یوں ہی حیوان اگر انسان کی غذا میں صرف ہو تو یہ عام نظام فطرت کے بالکل مطابق ہے۔

بیشک بلا ضرورت صرف تفریح کے طور پر جانوروں کو مارنا بھی ممنوع ہے مگر اپنی غذا فراہم کرنے کے لیے جانوروں کو ذبح کیا تو کوئی قیامت نہیں ڈھائی ایسے ہی رحمدل ہو تو جانوروں پر سواری نہ لو۔ بار نہ لادو۔ کھیت نہ جوتو یہ سب باتیں تکلیف کی ہیں مگر ان کا کوئی پابند نہیں۔ بس ایک گوشت کھانے کے لیے ذبح کرنے میں تکلیف کا خیال ہے۔

ہاں یہ ہدایت ہوئی ہے کہ شکم کو جانوروں کا مقبرہ نہ بناؤ۔ یعنی گوشت کھانے میں افراط سے کام نہ لو۔ مگر بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کثیر تعداد میں خانہ کعبہ کی زمین پر جانوروں کے ذبح کئے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

قربانی

ابراہیمؑ پیغمبر نے اپنے ہاتھ سے بیٹے کے ذبح کا حکم خدا کے موافق مہیا کر لیا تھا بڑے استقلال اور ثبات قدم سے اپنے ارادہ پر آخر تک قائم رہے۔

سب سامان ہو گیا تھا۔ بالکل عین وقت پر حکم تبدیل ہوا بیٹے کو ہٹا کر بھیڑا ذبح کر دیا گیا۔

اُس قربانی کے ارادہ کی یادگار ہے جو مُسلمان بقر عید کے دن قربانی کرتے ہیں۔ اس سے غریبوں کا پیٹ بھی بھرتا ہے اور جذبۂ ایثار و قربانی بھی پیدا ہوتا ہے۔

کعبہ شروع شروع خدائے واحد کی عبادت کا خالص گھر تھا۔ بعد میں مشرکوں نے بُت خانہ بنایا۔ آنحضرتؐ نے اُس کی پہلی حالت کو پلٹایا اور خدائے لامکان کا عبادت خانہ بنایا۔ کوئی مُسلمان اینٹ چونے پتھر کو نہیں پوجتا یہ تو عبادت کی جگہ ہے۔ عبادت ہوتی ہے خدائے واحد کی جو لاشریک ہے۔ قدرت تو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ نہ حیوان کے جان وخون کی، نہ ہماری اُٹھا بیٹھی اور رکوع و سجدہ کی جس کا نام ہے نماز۔ یہ سب احکام ہمارے نفس کی پاکیزگی۔ ہماری ریاضت، ہم میں فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ہیں۔

وہ مقصد جس طرح نماز سے پورا ہوتا ہے۔ روزہ سے پورا ہوتا ہے اُسی طرح قربانی سے پورا ہوتا ہے۔

مگر مذہب اور احکام شریعت پر اعتراض کرنا اس زمانہ کا فیشن ہے۔ نکتہ چینی اور جدت طرازی کا موسم ہے۔ سمجھنے غور کرنے سے مطلب نہیں، وہی آوازیں سُنائی دیں گی جو برسات کی موسمی ہوا کا تقاضا ہے۔

وحشی پرندوں کا صدقہ جس صورت سے عام طور پر ہوتا ہے بے شک ایک بےاصل و حقیقت رسم ہے۔ جو اُڑا دیے جانے کے قابل ہے۔

بے آزار چرندوں پرندوں پر بلا ضرورت نشانہ آزمائی قابل اعتراض طرز عمل ہے۔ ترک کیے جانے کا مستحق ہے۔

حرام حلال

فروعی احکام ہیں جن میں زمانہ کے حالات کے لحاظ سے محدود شریعتوں میں تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن جس طرح ہر نصاب کے لیے ایک آخری درجہ ہوتا ہے جس کے تعلیمات نسبتاً مکمل اور

جامع ہوتے ہیں اُسی طرح خدائے واحد کی طرف کے قانون شریعت کا آخری نصاب جو خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ سے پہنچایا گیا۔ ایسا جامع اور مکمل اور معتدل اور ہمہ گیر نصاب ہے جس میں کلی تبدیلی کی ضرورت نہیں اور جزئی تبدیلیاں جو ضروری بھی ہوں وہ اُس کے وسیع کلیات کے ماتحت ہوں گی اس لیے بحیثیت مجموعی اُس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہیئے۔ رواج جو اس قانون کے موافق ہو وہ حق بجانب ہے جو اس کے خلاف ہے وہ رواج ناجائز ہے۔

حرامی کو خطا کار کون کہتا ہے؟ یہ اور بات ہے کہ اُس کا حرامی پن رنگ لائے اور وہ کام ہی ایسے کرے جو خطا کاروں کے ہوتے ہیں تو اُسے ویسی ہی پاداش بھی دی جائے گی۔

عقد و مہر

قانون شرع کی پابندی میں عورت اور مرد کے درمیان مضبوطی کے لیے جو عہد باندھا جاتا ہے اس کو عقد کہتے ہیں مہر اُس کا معاوضہ ہے۔

اسلام فطرت کے تقاضوں کو اعتدال میں رکھنے کا ذمہ دار ہے اس لیے اُس نے قواعد مقرر کیئے پابندیاں لگائیں پھر بھی اعتدال کی شرط کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت دی۔

فطرت کے جوش و جذبات کو روکنا اُس حد تک کہ فرض شناسی کا احساس قائم رہے مذہب ہے لیکن اس سے زیادہ بیکار کا دباؤ ہے اسلام کے وقت جس حد تک تعداد بڑھانے کی ضرورت تھی اُسی قدر جنگ جوئی کے لیے نہ سہی۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اب بھی ضرورت ہے۔ ویسا ہی زمانہ اور ویسا ہی عہد ہے۔ پھر اصلاح کا کون سا موقع ہے۔

مہر کا زیادہ رکھنا اُس زمانہ کی یادگار ہے جب دولت گھر کی لونڈی تھی۔ اور روپئے ٹھیکروں کی طرح پیروں کے نیچے ٹھوکریں کھاتے تھے اُس وقت وہی لاکھوں کے مہر حیثیت کے موافق تھے۔

اب وقت بدل گیا۔ زمانہ دوسرا ہوگیا۔ اب مہر کا اتنا باندھنا بیکار کی اُپج ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔

مہر کی کمی میں ہم چشموں میں خفت کا خیال کیسا۔ کون سی حیثیت اپنی پہلے کی سی ہے جو مہر پہلے کا سا بندھے۔ سواری کا تزک و احتشام پہلے کا سا نہیں۔ دروازہ کی چہل پہل اور رونق پہلے کی سی نہیں۔ محل کی شان و شوکت پہلے کی سی نہیں، نوکروں چاکروں کی کثرت پہلے کی سی نہیں۔ دسترخوانوں پر کھانوں کی فراوانی پہلے کی سی نہیں، مہمانوں کی میزبانی پہلے کی سی نہیں، جسم پر لباس پہلے کا سا نہیں۔ گھر کا اثاثہ پہلے کا سا نہیں۔ اس سب میں جب خفت نہیں تو پھر مہر پہلے کا سا نہ ہوگا تو کیا خفت ہو جائے گی۔

بہترین صلاح یہی ہے کہ اس خفت کا خیال بالکل چھوڑو۔ بہتر تو ہے کہ مہر فاطمی باندھو اور زیادہ بھی آنا جو دولہا کی حیثیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تم مقرر کر سکو۔ مگر اتنا نہیں جس کی ادائیگی اُس کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکے۔

اگر اُس خلاف عقل طرز عمل سے مہر اور اُس کے عقد کی رسم کو بالکل ڈھکوسلا سمجھا اور حقیقت خیال نہ کیا تو یاد رکھو کہ عقد تشریف لے گیا اور حلال کے پردے میں عمر بھر حرام ہوتا ہے گا جس کی ذمہ داری اس غلط طرز عمل پر ہو گی۔

کثرت ازدواج

شرع نے مجبور نہیں کیا ہے۔ کوئی ضرورت نہ ہو اور خرابیاں دیکھو تو ہرگز ایسا نہ کرو۔ کرو تو بہت سمجھ بوجھ کر کرو۔

حق تلفیاں اور خون ریزیاں ناحق شناس طبیعتوں کا خاصہ ہیں۔ خود اسلام میں کثرت ازدواج کے ساتھ سوتیلے بھائیوں کے خوشگوار تعلقات کی بھی نظیریں موجود ہیں۔ ایسے بھائی جو یک جان و دو قالب ہوں۔ حسینؑ اور عباسؑ کو دیکھ لو پھر ایک کے مرنے کے بعد دوسری سے نکاح کے تم بھی منکر نہیں مگر پہلی کی اولاد سے دوسری کو اور اُس کے خاندان والوں کو سوتیلے پن کی جلن وہاں بھی ہوتی ہے اسلام کی ابتدا سے حق تلفیاں، حق ناحق کی خونریزیاں، گھروں میں جھگڑے اور گھرانوں میں لڑائیاں بہت سی اسی کے ماتحت تھیں پھر اس کو کثرت ازدواج

کے سر کیوں عائد کرو۔

پردہ

کہا جاتا ہے کہ پردہ اُٹھ رہا ہے اور دعوے ہیں کہ اُٹھ کر رہے گا۔ مگر ہمارا اندازہ ہے کہ جو رفتار پردہ کے اٹھنے کی دس برس پہلے تک تھی اُس میں اب سُستی پیدا ہو گئی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اُستادوں نے خود اپنی غلطی محسوس کر لی ہے۔ ہندوستان نے قدم آگے اُس وقت بڑھائے جب یورپ قدم پیچھے ہٹاتا یا ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی پر پابندیاں عائد ہونے لگی ہیں۔

ہندوستان میں خراب نتائج بہت جلدی ایسے ظاہر ہوئے کہ دیکھنے والے دہل گئے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ وبا زیادہ نہیں پھیلے گی اور جتنی پھیل گئی ہے اُس کی بھی رفتہ رفتہ اصلاح ہو جائے گی۔

بے شک ممکن ہے کہ ہندوستان کے خاص حصّوں کی، شرفاء کے گھروں کی پابندیاں اور پردہ کی مروجہ صورت زیادہ تر قائم نہ رہے۔ بہت سے گھرانوں میں عراق اور ایران کا سا چادر اور برقع کا رواج ہو جائے۔ وہ بھی غنیمت ہے اگرچہ ہندوستان کے حالات ویسے ہی پردہ کے متقاضی ہیں جیسا شرفاء کے یہاں کا عام دستور ہے۔

شب برأت (۱۵) پندرہ شعبان

دن کے حلوے، روٹی کی کوئی اصلیت نہیں۔ رات کو بے شک حضرت امام عصرؑ کی ولادت کی خوشی ہے۔ آتشبازی مظاہرۂ مسرت ہے۔ سوچ سمجھ کر پرانے لوگوں نے رکھا ہے۔ نفسیاتی طور پر اپنی خوشی کے دوسروں کے بھی گھروں میں منائے جانے کا ذریعہ ہے۔ عرائض دلوں کو غیبی رہنما کی جانب متوجہ کرنے کا وسیلہ ہیں۔ دونوں باتیں اچھی ہیں۔ دوسرے ہنستے ہیں تو ہنسنے دو۔

ہماری کون بات اُن کی ہنسی سے خالی ہے۔ ہماری نماز کی اُٹھا بیٹھی۔ حج کی دوڑ دھوپ اور بہت باتیں اُن کی ہنسی کا سرمایہ ہیں۔ صرف دوسروں کی ہنسی کی وجہ سے اپنے شعائرِ دینی اور رسوم مذہبی کا ترک کرنا دوسروں کی خاطر ناک کٹانا ہے۔ دوسروں کو ہنسنے دو۔ اپنا کام کیے جاؤ۔ اسی میں کامیابی ہے۔

مراسم

کوئی شک نہیں کہ شادی بیاہ، پیدائش اور وفات اور زندگی کی ہزاروں رسمیں جو رائج ہو گئی ہیں۔ اُن کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے۔ وہ ہماری زندگی کو تباہ کرنے کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ پُرانے زمانہ میں جب دولت افراط سے تھی اُس وقت یہ رسمیں بھی کھلتی نہ تھیں بیکار کی دولت لٹانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔

اب جب کہ پیسہ پاس نہیں، فاقوں مر رہے ہیں تو ان رواسم کی بہتات، مرے پر سَو دُرّے والی بات ہے۔ ان مراسم کو یک قلم ترک ہونا چاہیے۔

"اصلاح المراسم" اس سلسلہ میں اچھی کتاب ہے اُس میں ان تمام رسموں کی تفصیل درج ہے۔

ہم نے بھی "شادی خانہ آبادی" اور "ہمارے رُسوم وقیود" میں رسموں کی حقیقت اور اُن کی نوعیت پر کافی تبصرہ کیا ہے۔

تتمّہ

مذکورہ بیانات کو جو "مذہب اور عقل" کے تحت میں آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں سامنے رکھیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ عقل کو مذہب سے الگ کرنا صریحی غلطی ہے۔ سچے مذہب کے طریقہ پر چلنے والے ہی عقل کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ وہ آزاد خیال افراد جن کو دہریہ

یا لامذہب یا نیچری کہا جاتا ہے عقل کے نام پر وہم کے شکنجہ میں اسیر ہیں ایسا نہ ہوتا تو مشاہدات کے آگے حقیقتوں کے قبول کرنے سے انکار نہ کرتے حالانکہ عقل کا کام ہی آنکھ سے اوجھل چیزوں کا سمجھنا اور اُن پر حکم لگانا ہے۔

مذہبی حضرات جو شریعت کے پابند قرآن کے زیر فرمان ہیں وہ بھی عقل کے فیصلہ کی بنا پر ہیں۔ حکایتوں پر بھی ایمان لاتے ہیں تو عقل کی رائے اور اشارہ سے۔ بعید از مشاہدہ واقعات کو بھی باور کرتے ہیں تو عقل کے سمجھانے سے۔

اُنہوں نے عقل کے صاف اور شفاف آئینہ میں حقیقتوں کا جلوہ پہلے ہی سے دیکھ لیا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز کر لی ہے۔ میلا اور داغدار آئینہ نگاہ کو ملگجا اور حقیقت کو داغدار بناتا ہے۔ اسی لیے جھائیاں دُور کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اجمالی تبصرہ دھندلی نگاہوں کے لیے ناکافی ثابت ہو سکتا تھا اس لیے تفصیلی تبصرہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

اب یہ آپ کے سامنے ہے۔ سب "مسئلہ" "مسائل" جو اس ذیل میں پیش ہوں۔ اُن کا اسی میں جواب ہے۔ پھر بھی آسانی کے لیے خلاصہ اور اصل کتاب کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

اُصولِ دین

اوّل توحید

وہ قادر جس کی ذات سے قدرت الگ نہیں۔ جو سراسر عدل و حکمت کے ساتھ کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر حاوی ہے جس کے آثار کو آنکھ دیکھ رہی ہے۔ عقل سمجھ رہی ہے۔ دل مان رہا ہے۔ وہی خود بخود ہے اُسی کا نام ہے خدا۔ اُس کی ذات اور قدرت الگ الگ ہوتے تو وہ اپنے افعال میں اس قدرت کا محتاج ہوتا اور یہ قدرت اپنے قیام و ثبوت میں اُس ذات کی محتاج رہتی۔ اس لیے نہ وہ ذات خدا ہو سکتی۔ نہ قدرت۔

اس بحث کو تفصیل و تصریح سے دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو۔ عقل و مذہب صفحہ ۲۱ تا ۳۱۔

دوم۲ عدل

وہ عادل ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ رحمان بھی ہے اور قہار بھی۔ ہر ایک اپنے محل و موقع پر عدل و انصاف کے مطابق ہے بلا کردار نہ عطا ہے نہ سزا۔

عزّت و ذلّت، بادشاہت اور فقیری، فراغت اور فلاکت سب حکمت و مصلحت کے مطابق ہے اس لیے عین عدل ہے۔

کفار کی شرارتوں کا دفعیہ خواہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہو صلاح عالم کا ذریعہ ہے اور اس لیے حکمت و عدل کے مطابق ہے۔ گمراہی میں چھوڑ دینا ہٹ دھرمی کی پاداش ہے اس لیے عدل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عاصیوں کے ساتھ معصوم پیسے نہیں جاتے، بے شک کبھی عاصیوں کے عمل سے رضامندی رکھنے والے اگرچہ عملاً اُن کے شریک نہیں اُس زمرہ میں شریک کر کے موردِ عتاب ہوتے ہیں اس لیے کہ فعل کے ساتھ رضامندی نیت اور ضمیر کے لحاظ سے انسان کو مجرموں ہی کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔

شریعت باطنی کے عالم کے ہاتھ سے بچہ کا قتل ملک الموت کے قبض رُوح کا مرادف ہے وہ بھی نظام عالم کی مصلحت سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوا تو ظلم کیا ہوا۔ بے گناہ عیسیٰؑ کو بچا کر ایک گناہگار واجب القتل کو سولی پر چڑھوا دینا تو عین مقتضائے عدل ہے اس میں اعتراض کا موقع نہیں ہے۔

سوم۳ نبوت :

مُسلمان رسول کی لفظ کو اس معنی سے استعمال نہیں کرتے کہ خدا کسی مقام خاص پر بیٹھ کر کسی کو بھیجتا ہے بلکہ وہ کسی خاص شخص کو اپنے منشاء کے موافق احکام پہنچانے اور خلق کی رہنمائی کے لیے مقرر کرتا ہے۔

چہارم امامت :

خدائی فرمان تفصیلی طور پر پیغمبرؐ کے ذریعہ سے پہنچے - ایسے ہی فرمان سے ائمہ کی امامت معلوم ہوئی -

قرآن میں بطور اوصاف کے مجمل فرمان موجود ہے - تفصیل قول و عمل رسولؐ سے ہوئی - ائمہ کے نام قرآن میں صاف ہوتے تو کہاں رہتے جب کہ اُس کی تالیف بنی امیہ کے ہاتھوں ہوئی ہو -

پنجم معاد :

انسان معلومات سے کوسوں دور ہے اس لیے اُسے اپنی نادانستہ باتوں کے انکار کا حق نہیں ہے -

پھر بھی اصل جزا و سزا کا ثبوت عقل کے قطعی فیصلہ سے ہے - اُس کی نوعیت کے لیے پیغمبرؐ کا بیان ہے جس کی سچائی کو بھی عقل نے قطعی طور پر سمجھا ہے - جو شخص قرآن کو بھی رسولؐ کا کلام سمجھتا ہو اُسے قرآن و حدیث میں فرق قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے - جب وہ قرآن کے ثبوت کو تسلیم کرتا ہے تو حدیثوں کو معتبر ناقل کا بیان کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا -

قرآن کلام اللہ ہے ان معنی سے کہ اُس کے ارادۂ خاص سے مخلوق ہے - رُوح کو یہ کہہ دینا آسان معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان کی جان ہے جو جسم کے منظم ہونے سے رُوح بن جاتی ہے مگر خود جان کیا چیز ہے ؟

جب اسے نہیں جانتے ہو ، تو جو کچھ کہو وہ ایک بے دلیل کا دعویٰ ہوگا جو حقیقت کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں -

اب اگر کوئی بتلا رہا ہے کہ روح جسم سے پہلے تھی اور اس کے بعد رہے گی تو اس کے خلاف تمہارے پاس کیا ثبوت ہے اور کس لیے اس کا انکار کر کے تم ادعا کرتے ہو کہ روح نہ پہلے تھی نہ بعد کو رہے گی - (تفصیل کے لیے دیکھو مذہب اور عقل صفحہ ۱۸۱)

وہ دانشمند کارساز جس نے خلقت کے ضروریات کو پورا کیا - انسان کو بغیر اخلاقی تربیت کا

سامان کئے چھوڑ دے تو اُس کی دانشمندی اور قدرت پر حرف آتا ہے۔

اس اخلاقی تربیت کو جن کے ہاتھوں انجام دلوایا جائے، وہ نبی یا رسول یا امام ہیں، پھر ان کو جماعت کا ساختہ و پرداختہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ وہ اپنے ساتھ سچائیوں کی نشانیاں لاتے رہیں۔ اس لیے اُن کی باتوں کو دل کا بہلاوا بتانا اپنی نادانی کا ثبوت ہے۔

خواہش اور غصہ" میں حیوان بن جانے والا انسان، پوزیشن کا پاس، بدنامی کا خوف۔ آنکھ کی شرم۔ قانون حکومت کے دغدغہ کا دھیان بھی نہ لائے گا۔ لیکن آخرت کا دھڑکا ایک طرف تو خواہش اور غصہ کو اس درجہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ دوسرے کم ازکم اُس درجہ میں کہ جب تک انسان کو بدنامی کے خوف وغیرہ کا خیال ہو سکتا ہے اُس درجہ میں آخرت کا دھڑکا بھی بہت لوگوں کو سدّراہ ہوسکتا اور ہوتا ہے۔ مشاہدہ اس کا گواہ ہے۔

نبوّت

نبی :

مخبر عن اللہ یعنی خدا کی جانب سے اُن حقیقتوں سے آگاہ کرنے والے جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ غیب کی خبریں وہ اللہ سبحانہ کے بتلانے پر دے سکتے ہیں (خدا کی غیب دانی سے قرآن کو کہیں انکار نہیں ہے) دیکھو "مذہب اور عقل" صہ ۳۸

رسول :

یعنی فرستادہ جس کی تشریح پہلے ہو چکی۔ اُس کے لیے نہ بھیجنے والے کے لیے مقام کی ضرورت ہے نہ جسم و قیام کی۔

پیغمبر :

خدا مادی حدود سے باہر ہے اُس کے پیغام کے لیے کہیں آنے جانے کی ضرورت

نہیں ہے۔

وحی تین طرح ہو سکتی ہے۔

(۱) بذریعہ صدا۔ صدا ایسی جو خدا کی مخلوق ہو اس کے لیے خدا کے جسم ہونے کی ضرورت نہیں۔

(۲) بذریعہ فرشتہ۔ جس کے پاس آئے اُسے علم ہونا چاہیئے دوسروں کے مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

بے شک مدعی کی سچائی قرآن اور حالات سے معلوم ہونا چاہیئے اس لیے رسول کی ہمیشہ سیرت اور خاص نشانیاں یعنی آیات بینات تصدیق کے لیے موجود ہیں۔

(۳) کتابت، نقوش بھی مخلوق الہٰی ہو سکتے ہیں۔

(۴) القائے روحانی مگر رسول ایسے انسان کامل کے روحانی ادراکات حقیقت کے مطابق ہی ہو سکتے ہیں بے شک خداوندی تعلیم سے قبل رسول کے لیے وہ تمام علوم و معارف حاصل نہیں تھے۔ جو کچھ آپ کے دماغ میں آیا خدا کی جانب سے آیا۔ یہ تو آپ کی رسالت کی تصدیق اور اُس کا ثبوت ہے۔

یقیناً اس پیغام کے جو آپ کے ہاتھوں پہنچ رہا تھا۔ سب سے پہلے جاننے والے آپ ہی تھے۔ اس لیے آپ سب سے پہلے مُسلمان تھے۔

ختم الانبیاء لا نبیَّ بعدی

یقیناً حضرت محمد مصطفٰےؐ کا دعویٰ تھا کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی لفظ کے ساتھ اس کی تصریح ہے۔

عیسیٰؑ کے تعلیمات محدود زمانہ تک کے لیے تھے اس کے لیے اُن کے بعد نبی کی ضرورت ہے اور ہمارے رسولؐ کے تعلیمات ایسے جامع ہیں جو ہر زمانہ میں رہنمائی کے لیے کافی ہیں اس لیے آپ کے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔

خلق کا مبتلائے گمراہی ہونا نئے نبی کی ضرورت نہیں پیدا کرتا بلکہ سابق نبی کی میعاد کا ختم ہو جانا

نئے نبی کا باعث ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو مذہب اور عقل" ص۲۹

کمال ہر دین کا اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھا مگر بلا قید زمان و بلا میعاد مدت جو کامل دین ہے وہ خاتم الادیان ہے۔

کمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ عامۂ خلق کو دیا ہے۔ صرف رسولؐ کو نہیں،

یہی دین تمام خلق کے لیے نعمت ہے کہ جو ہمیشہ ثابت اور قائم ہے اور اُسی کا فیض خداوند عالم کی جانب سے پہنچایا جارہا ہے۔

اس لیے نہ خدا کی نعمتوں کا اختتام لازم آتا ہے اور نہ خلق کی نعمت آلہی سے محرومی۔

سورۂ اعراف کی آیت میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تمہارے پاس رسول ضرور آئیں گے بلکہ بطور کلیّہ کے کہا گیا ہے کہ جب بھی رسول آئیں۔

اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مُسلمانوں کے لیے بھی بعد میں کوئی رسول آنے والا ہے۔

اور جب ایسا نہیں تو لا نبی بعدی کی حدیث اس کے خلاف نہیں بلکہ وہ خاتم النبیین والی آیت اور آیت اکملت لکم دینکم کی مؤیّد ہے۔

سوائے اس آخری جزو کے باقی تمام بحث تفصیل کے ساتھ "مذہب اور عقل" کتاب میں درج ہے۔ ملاحظہ ہو ص۳۰

حضرت عیسیٰؑ کے لیے کوئی خصوصیت ایسی نہیں ثابت جو انہیں حضرت محمد مصطفےٰؐ سے افضل قرار دیتی ہو۔

اُٹھائیے کتاب "مذہب اور عقل"، اور صفحہ ۳۱ تا ۳۴۔ ملاحظہ فرمائیے آیات قرآنی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ عزت میں اشرف الانبیاء رسول اللہؐ ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰؑ۔

امامت:

خود قرآن سے ابراہیمؑ کے بعد اُن کی ذریت میں سے اُن افراد میں کہ جو ظالم نہ ہوں امامت کا بقاء ثابت ہے۔

نام کا تذکرہ ہوتا تو بنی امیہ کیوں رکھتے؟ ملاحظہ ہو (مذہب اور عقل ص۲۴۷)

"مذہب اور عقل" صفحہ ۸۵ تا ۱۰۱ ملاحظہ ہو۔

قرآن کی ۲۸ آیتوں میں آنحضرتؐ کے لیے معجزوں کا ثبوت موجود ہے اور کسی ایک آیت میں بھی مطلق معجزہ کی نفی نہیں ہے۔

یا علیؑ۔ یا امام حسینؑ یا حضرت عباسؑ کہنے سے کسی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ حاجت پورا کرنے والا انہیں کو سمجھتا ہے۔ بلکہ یہ سب دعائیں اصل میں خدا سے ہوتی ہیں۔ اور بطور تیمن و تبرک کے واسطہ ان بزرگوں کا اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن میں جو انکار ہے وہ اس کا کہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو حاجت روا نہ سمجھو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں سمجھتا۔

بارھویں امام ؑ

حضرت کی حیات پر عقلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔

"مذہب اور عقل" صـ ۱۰۱ تا ۱۱۱

تاریخی مشاہدے، فطرت کے آئین، قدرت کے قاعدے، ذاتی تجربے کوئی بھی انسان کی عمر کی حد نہیں بتلاتے۔

قرآن نے سدا کی زندگی کی نفی کی ہے۔ سدا یعنی ہمیشہ۔ کوئی انسان کتنا ہی جئے پھر بھی آخر میں فنا ہے تو یہ سدا کی زندگی کہاں ہوئی اور قرآن سے اس کی نفی کس طرح ثابت ہوئی۔

تاریخی مشاہدات میں لانبی عمر والوں کے بہت سے نمونے پیش ہوئے ہیں تم سب کا انکار کرو تو کیا علاج ہے۔

قدرت کے قانون نے جوانی کی کوئی حد نہیں بتائی ہے۔ نہ بڑھاپے کی کوئی میعاد مقرر کی ہے۔ یہ عمر کے اختلاف سے مختلف ہوگی۔

انسان کو اپنی جہالت کا احساس نہ رہا اور اپنے کو اشرف المخلوقات۔ جہانیاں جہاں گشت۔ محقق ماضی و حال، مستقبل اندیش و نکتہ رس، حقیقت آشنا سمجھ کر اگر واقعات کو اپنے محدود مشاہدات کا پابند سمجھنے لگا تو وہ کنوئیں کے مینڈک، فضا کے بلند پرواز تیز نظر گدھ اور گولر کے اندرونی

بھنگے سے زیادہ نہیں ہے۔

ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی امام کے لیے تعلیمی زندگی کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ امام محمد تقیؑ اور امام علی نقیؑ دونوں بزرگوار چھ یا سات برس کے سن میں امام ہوئے۔ انہوں نے کس سے پڑھا۔ حالانکہ اُن کے علمی کارناموں نے اس عمر کے عباسی خلیفہ کے دل پر اپنا سکہ قائم کر دیا۔ اسی طرح حضرت حجتؑ کو سمجھیے۔

قرآنی آیت کسی اور امام کے لیے نام کی صراحت کے ساتھ کب ہے جو آپ کے لیے ہوتی۔ ائمہ کو احکام الٰہی بذریعہ وحی تو پہنچتے نہیں کہ اس حکم کا کوئی پتہ نظر آئے وہ تو اپنے پیشرو ائمہ کے ذریعہ سے یا القاء والہام کے واسطہ سے پہنچتے ہیں پھر دوسرے کو اُس کا علم کہاں حاصل ہو سکتا ہے؟

خبریں آپ کی حیات کے متعلق بہت ہیں۔ لیکن اگر اُن کے فرائض اور کام آشکارا طور پر ہوں اور عام اشخاص کے لیے اُن کی فہرست مرتب کی جاسکے تو غیبت کہاں رہے۔ عرائض کہاں پیش ہوتے ہیں؟ رہتے کہاں ہیں؟ وہاں کیا انتظام ہے؟ کیا حالات ہیں؟ کیا ذرائع ہیں؟ یہ سب راز منکشف ہوں تو خدا کا انتظام غیبت شکستہ نہ ہو جائے؟

بندوں کا بنایا ہوا "فرامیشن" کے راز کا کارخانہ تو اب تک کھل نہ سکا۔ پھر جاہل اور نادان بندے خدا کے کارخانۂ قدرت کے رازوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

تعیناتی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ہے اور فرائض ہر حالت کے اُس لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور وہ غیبت کے عالم میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔

امن وامان کی نگہداری کے ساتھ بہترین صورت حفاظت کی یہی غیبت تھی اضافی اور توصیفی نام اکثر اصطلاحی طور پر اُن مراتب کے لحاظ سے قرار دیئے گئے ہیں جو حضرت احدیت نے اُن کو عطا فرمائے ہیں۔

نام ادب شناس افرادِ امت نے رکھے ہیں اور وہ کمالات وخصوصیات جو اُن ناموں کی اصل حقیقت ہیں خدا کا عطیہ ہیں۔ آپ کی امامت دربارِ عزت سے اُسی طرح ہے جیسے آپ کے آباؤ اجداد کی۔ امت کی قرارداد کوئی چیز نہیں، قدرت کی طرف سے قبل بلوغ نبوت مل چکی یحییٰؑ کو۔ اور

امامت مل چکی امام محمد تقیؑ اور امام علی نقیؑ کو اور جس طرح احکام الٰہی کے مجموعہ قرآن اور آنحضرتؐ کے ارشادات کے ذخیرہ کے باوجود اُن حضرات کی امامت ثابت ہوئی۔ اسی طرح ان کی امامت۔

امام کا کام ہدایت ضرور ہے کہ وہ اپنے نام اور شخصیت کو پہنچوا کر ہدایت کا کام انجام دیں۔ ایسا اصطلاحی غیبت کے پہلے دوسرے ائمہ کے دور میں بھی ہوتا رہا۔ لوگ جو اُن کی امامت سے واقف نہ تھے وہ اُس وقت بھی یہی سوالات کر سکتے تھے کہ وہ اپنی امامت کا کام کہاں انجام دے رہے ہیں اور کیا؟ مگر اُن کی زندگی کے اصلی فرائض ان سوالات کے جواب پر موقوف نہ تھے۔ سختیاں تابعین پر گیارہ اماموں کے زمانہ میں جتنی پڑیں وہ کم نہ تھیں۔ ائمہ معصومینؑ نے اپنے عظیم مقاصد کی حفاظت کرتے ہوئے اُن کی کوئی ظاہری امداد نہیں کی۔ یہ تو کھوٹے کھرے کی ایک آزمائش ہے اور ہوتی رہنا چاہیئے امّت کی جہالت دُور کرنے کے لیے مصلح علماء موجود ہیں جب اُن کی بات کا اثر نہیں تو کیا معلوم امام کی آواز کسی لباس میں پہنچی، اتمام حجّت کیا گیا۔ مگر اس پر عمل نہیں ہوا۔

شریعت موسویہ اور عیسویہ اور خود اسلام کے تعلیمات میں معصوم افراد ایسے گزرے جو نابالغی کی حالت میں نبوت یا امامت کے منصب پر مانے گئے۔

آپ کے جدا مجد کار رسالت ہمیشہ انجام دیتے رہے لیکن چالیس برس کے سن میں اظہار رسالت کا حکم ملا یعنی سمجھنا چاہیئے کہ رسالت پر سے غیبت کا پردہ ہٹانے کا یہ وقت تھا۔ فیض رسانی کے لیے جاننے پہچاننے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہم سے تم سے سارٹیفکٹ حاصل کرنے کی حاجت ہے۔ تعیناتی کا حاصل بھی شہود میں آنے پر موقوف نہیں۔

امرِ الٰہی کے لیے سلطنت کی ضرورت نہیں۔ خود ان کے جد بزرگوار کے زیر نگین کوئی دنیا کی سلطنت نہ تھی مگر جس امر کے وہ حامل تھے اُسی امر کے یہ بھی حامل ہیں۔ اولوالامر کے پہلے رسول بھی اسم صفت ہے۔ نام نہیں ہے۔ پھر رسول کا نام کب لیا گیا جو اولوالامر کا نام لیا جاتا۔ سلطان وقت ہر گز خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد نام لینے کے قابل نہیں۔ وہ تو اکثر خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف حکمران ہو سکتا ہے۔ جس وقت کہ اُس کی مخالفت اطاعت خدا و رسولؐ کے مطابق ہوگی۔ نام آجاتا تو بنی امیہ کا ہے کو چھوڑتے۔ شبہ پھر بھی قائم رہتا۔

ختم المرسلینؐ کے بعد نظام شریعت کی تکمیل کے لیے بارہؑ امام اور ہونے والے تھے اس لیے اُن کو اس طرح پردۂ غیبت میں رکھ کر حفاظت نہ کی۔ لیکن ان کے بعد تعداد پوری ہو گئی تھی کوئی تھا نہیں اس لیے ان کی حفاظت کی ضرورت تھی۔ رہنمائی و پیشوائی کے لیے نام سے مطلب نہیں، کام سے مطلب ہے اور کام انجام پا رہا ہے۔

امام آخر الزمانؑ :

چونکہ ان پر تعداد پوری ہو گئی اور ان کے بعد کوئی اور ہے نہیں اس لیے معلوم ہوا کہ وہ امام آخر الزمان ہیں۔

مہدی موعودؑ :

وہ وعدہ جو ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے والوں سے ہوا ہے اُس کی وفا کا مرکز آپ ہی ہیں۔ آپ کے پہلے وہ وعدہ پورا نہیں ہوا اس لیے معلوم ہوا کہ حقیقی موعود یہی ہیں۔

حضرت حجتؑ :

حجت کے معنی غلبہ کے ہیں آپ دین کی بقاء اور آخر میں اُس کے غلبہ کا باعث ہیں اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے ہیں۔ آپ نگران نہیں بلکہ حاکم ہیں اور حاکم اپنے دور کا جوابدہ ہوتا ہے اس لیے آپ سے سوال ہوگا۔

واقعہ کا ہونا نہ ہونا۔ جب کہ مُشاہدہ کی عمر سے آگے ہو تو بتلانے والوں کی اطلاع پر مبنی ہو سکتا ہے۔

عقل کی بحث امکان میں ہوتی ہے اور وقوع کا تعلق خود عقل کے فیصلہ کے موافق سراسر منقولات سے ہے۔ مخبر اگر بھروسے کے قابل ہے تو ہر چیز مان لی جا سکتی ہے اگر امکان سے باہر نہ ہو اس لیئے یہ سوال سب سے پہلے طے کرنے کا ہوتا ہے کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

عام انسانی تجربوں سے دُور واقعات ہمیشہ ہوتے رہے اور اب بھی ہوتے ہیں قابل فوق

اور معتبر ہستیوں کے خبر دینے ہی سے مانے جاتے ہیں۔ جرمنی اور امریکہ کی ایجادوں نے طلسم ہوش ربا کو مات کر دیا ہے۔ دم ہو تو انکار کرو۔ کیا تمہارے تجربے اور مشاہدہ اُن مثالوں سے واقف تھے؟ ہرگز نہیں اب بھی آنکھ سے کم دیکھا۔ کانوں سے زیادہ سُنا ہے۔ مگر خبروں کے تواتر نے ماننے پر مجبور کیا ہے۔

پھر انبیاء و مرسلین ؑ کے غیر معمولی واقعات کا صرف مشاہدہ اور تجربہ سے دُور ہونے کی بناء پر انکار کیوں کرتے ہو؟ ابراہیم ؑ ہوں یا روح اللہ ؑ رسول اللہ ہوں یا علی ؑ۔ موسیٰ ؑ ہوں یا عیسیٰ ؑ۔ سلیمان ؑ ہوں یا کوئی اور پیغمبر ہر ایک کے غیر معمولی واقعات جو مستند اور معتبر خبروں سے ثابت ہوں وہ ماننے کے قابل ہیں۔ جن کی خبر کمزور ہو۔ غیر معتبر یا مستند اُسے ماننے کی ضرورت نہیں۔

"مذہب اور عقل" کو اسی لیے پیش کیا گیا ہے کہ بہت سی ثابت حقیقتوں کو اپنے محدود مشاہدات و توہمات کی بناء پر بے حقیقت سمجھنا اچھا نہیں ہے کسی کے خیالات اور توہمات پر پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا مگر ناواقف لوگوں کی واقفیت اور سادہ لوح اشخاص کی دام فریب میں گرفتار ہونے سے حفاظت حقیقت پروری کے لیے ضروری ہے۔

اب ذیل میں جو مسائل ہمارے سامنے پیش ہیں اُن کا جواب گزشتہ صفحات کے حوالہ کے ساتھ درج ہے۔

معجزہ

قرآن کی اٹھائیس (۲۸) آیتوں میں آنحضرت ؐ کے لیے معجزہ کا ثبوت موجود ہے اور کسی ایک آیت میں بھی مطلق معجزہ کی نفی نہیں ہے اس لیے ہم اپنے رسول ؐ کو صاحب اعجاز ماننے پر مجبور ہیں۔

نمبر شمار	پارہ	سورہ	نمبر شمار	پارہ	سورہ
۱	۱	بقرہ	۱۵	۱۶	مریم
۲	〃	〃	۱۶	۱۷	حج
۳	۲	〃	۱۷	۱۸	مومنون
۴	۴	آل عمران	۱۸	〃	نور
۵	۷	انعام	۱۹	〃	〃
۶	〃	〃	۲۰	〃	〃
۷	〃	〃	۲۱	۲۰	نمل
۸	〃	〃	۲۲	۲۳	صافات
۹	۸	〃	۲۳	۲۴	مومن
۱۰	〃	〃	۲۴	۲۵	جاثیہ
۱۱	۱۴	نحل	۲۵	۲۶	احقاف
۱۲	〃	〃	۲۶	۲۷	حدید
۱۳	۱۵	بنی اسرائیل	۲۷	۲۸	صف
۱۴	〃	کہف	۲۸	۳۰	بینہ

ملاحظہ ہو قرآن یا کتاب "مذہب اور عقل" صفحات ۵۵ تا ۶۵۔

حاجت روا

بزرگان دین کو بذات خود حاجت پورا کرنے کے لیے پکارنا اس طرح کہ انسان خدا سے التجا کا سلسلہ قطع کرلے اور ان ہی کو سب کچھ سمجھ لے درست نہیں ہے۔ قرآن کی نو ۹ آیتوں میں اسی کا انکار

ہے۔ ہم جو اپنے بزرگانِ دین کو پکارتے ہیں وہ اس لیے کہ ہمارے واسطے بارگاہ الٰہی میں التجا کریں۔ یہ ایک شانِ ادب شناسی ہے کہ ہم اپنے کو براہ راست اُس عظیم بارگاہ میں عرض پیش کرنے کے قابل نہ سمجھتے ہوئے اپنے سے بہتر بندوں کا دامن تھامتے ہیں۔ اس کی نفی قرآن میں نہیں ہے۔ بلکہ طلب مغفرت کے لیے رسولؐ کے پاس آنے کی ہدایت ہے۔ وہ بالکل ہمارے طرزِ عمل کی نظیر ہے۔

افضل انبیاءؑ

آنحضرتؐ کا خاتم النبیین بنایا جانا اور معجزۂ باقیہ کا حامل قرار دیا جانا ہی آپ کے افضل انبیاءؑ ہونے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے چند تعلیمات بطور یادگار اس شریعت میں قائم رکھے گئے۔ انہی کو سُنت ابراہیمی قرار دیا گیا مگر آپ کی شریعت کی جامعیت و وسعت اپنے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں جس کے مثل ہمارے رسولؐ کے لیے حاصل نہیں۔ وہ بھی صاحب شریعت ہیں تو یہ اُس کی ناسخ شریعت کے حامل۔ انہیں معجزے عطا ہوئے مگر وہ سب فانی تھے، اور انہیں بھی معجزے عطا ہوئے جن میں سے ایک معجزہ باقیہ ہے۔ اُنھوں نے کلیم اللہ کا مرتبہ پایا اور ان کے لیے کلام اللہ نازل ہوا انہیں تجلی کا شرف ملا اور انہیں معراج عطا ہوئی۔

حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں جس کے مثل یا اس سے افضل ہمارے رسولؐ کے لیے حاصل نہ ہو۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو)

(مذہب اور عقل صفحہ ۳۱ تا ۴۴)

خلیفۂ بلافصل

خلافت سے مراد سلطنت و حکومت دنیا نہیں ہے اسے آپ نے خدمت خلق کی غرض سے چوتھے نمبر پر منظور کیا بلکہ خلیفۂ بلافصل سے مراد رسولؐ کے بعد بلافاصلہ جانشینی کا استحقاق ہے اور واقعہ کے بالکل مطابق ہے جانشینی کا درجہ اپنے پیشرو کی وفات کے بعد ہے۔ اسی لیے رسولؐ کی زندگی میں اس جملہ کے اذان میں جاری کیے جانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اسی بناء پر علمائے شیعہ اس کو جزو اذان نہیں جانتے بلکہ جزو ایمان سمجھتے ہیں لاریب غدیر میں حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان بربنائے حکم خدا تھا۔ یلغ ما انزل الیك الخ اور اسی تعمیل پر آیت اکملت نازل ہوئی پس خدا کی جانب سے علی خلیفہ بلافصل قرار پا گئے۔ مگر موجودہ ترتیب قرآن میں یہ دونوں آیتیں بالکل بے جوڑ دوسری آیت کا تتمہ بنا کر لکھ دی گئی ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے اور موجودہ ترتیب کا نقص ہے۔ کیونکہ ترتیب آیات شان نزول کے مطابق شیعہ اور سُنی کسی کے نزدیک نہیں ہے۔ علیؑ کا نام نہ لیا۔ اسی لیے قرآن لفظی تحریف سے پاک رہا اور قرآن کے بارے میں تفرقہ نہ پڑا ورنہ اموی اقتدار ضرور اُن الفاظ کو حذف کرتا یا اگر ان ناموں کے ساتھ ایک قرآن کا رواج ہوتا تو وہ اپنے دل کے موافق دوسرا قرآن تیار کرتے۔ نتیجہ ہوتا مسلمانوں کی ابتری اور انتشار۔ اس لیے قدرت نے نام کا اظہار نہ کیا۔ صفات اور واقعات سے مطلب ادا کیا۔ اُس مطلب کو چھپانے کی ترتیب کے بدلنے سے کوشش کی گئی۔ مگر حقیقت پھر بھی ظاہر رہی اور چھپائے نہ چھپی۔ ائمہ اثنا عشر نے اس حقیقت کو ظاہر کیا اور برابر بتلایا، انھی سے ہم تک پہنچا، بے شک اس ترتیب کو مٹا کر دوسری ترتیب کو رواج نہ دیا صرف اس لیے کہ یہ ہونے کا نہیں کہ سب اُسی کے پابند ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ قرآن بھی مسلمان کا ایک نہ رہے۔ مفاد اسلامی کے محافظ ائمہ اہلبیتؑ ہرگز اس انتشار کو اپنے ہاتھوں برداشت نہ کر سکتے تھے۔

اہل بیتؑ و آیت تطہیر

وہی صورت آیت تطہیر کی ہے۔ قرآن بجا اور درست ہے بالکل درست مگر ترتیب کو کون درست کہتا ہے۔

بے شک "حدیثے کہ خلاف قرآن باشد بر دیوار باید زد" مگر "حدیثے کہ خلاف ترتیب قرآن باشد۔ کہ گفت؟

امامت اور قرآن اور کلام اللہ کے متعلق مزید سوالات کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ

۲۲۔ ماہ صیام ۱۳۷۰ھ

قرآن فہمی اور اسلام شناسی کیلئے عصر حاضر کی شہرۂ آفاق

تفسیر نمونہ

زیر نظر: آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی — ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی

۲۷ جلدوں میں مکمل سیٹ — ہدیہ ۱۱۰/- روپے فی جلد

علوم قرآن کی بہتر سے بہتر پیشکش کیلئے ہم آپکی آراء
اور مثبت تنقید کے لیے چشم براہ رہتے ہیں۔ مکتب اہل بیت کی تفہیم و اشاعت
کے لیے دست تعاون بڑھایئے۔

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ ۱۰- گنگا رام بلڈنگ شاہراہ قائد اعظم لاہور

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر ۶۲ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

ہماری شہرۂ آفاق مطبوعات

۱۔ تفسیرِ نمونہ (۲۷ جلدیں)	ترجمہ علامہ صفدر حسین نجفیؒ	ہدیہ فی جلد -/۱۱۰ روپے
۲۔ قرآن کا دائمی منشور	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ فی جلد -/۹۰ روپے
۳۔ تفسیرِ پیامِ قرآن	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ فی جلد -/۱۱۰ روپے
۴۔ ہمارے آئمہؑ (۱۲ کتابوں کا سیٹ)	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ فی سیٹ -/۲۴۰ روپے
۵۔ ولایت فقیہ (جلد اوّل)	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ فی جلد -/۱۲۰ روپے
۶۔ ولایت فقیہ (جلد دوم)	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ فی جلد -/۱۵۰ روپے
۷۔ تفسیر فصل الخطاب (۷ جلدیں)	علامہ سید علی نقی النقویؒ	ہدیہ فی جلد -/۱۱۰ روپے
۸۔ تحریف قرآن کی حقیقت	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۳۵ روپے
۹۔ صلح اور جنگ	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۱۰ روپے
۱۰۔ مذہب اور عقل	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۴۰ روپے
۱۱۔ رہنمایانِ اسلامؑ	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۳۰ روپے
۱۲۔ اسوۂ حسینی	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۲۵ روپے
۱۳۔ اثبات پردہ	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۲۰ روپے
۱۴۔ معراجِ انسانیت	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۱۵ روپے
۱۵۔ زندگی کا حکیمانہ تصور	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۲۵ روپے
۱۶۔ آیت الکرسی	ترجمہ مولانا محمد تقی نقوی	ہدیہ -/۷۰ روپے
۱۷۔ مدخل التفسیر	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۵۰ روپے
۱۸۔ آیۂ تطہیر	〃 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۳۰ روپے
۱۹۔ توضیح المسائل	آقائے گلپائیگانی رحمۃ اللہ علیہ	ہدیہ -/۹۵ روپے
۲۰۔ مختصر الاحکام	〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۳۰ روپے
۲۱۔ گفتارِ انبیاء	آقائے لنگرودی	ہدیہ -/۴۰ روپے
۲۲۔ قرآن اہلبیت کی نظر میں	جعفر الہادی ترجمہ شفا نجفی	ہدیہ -/۳۰ روپے
۲۳۔ قرآن فہمی	استاد مطہری شہید ترجمہ سید انوار احمد بلگرامی	ہدیہ -/۱۵ روپے
۲۴۔ معاد قرآن کی نظر میں	آیت اللہ مظاہری ترجمہ 〃 〃 〃 〃	ہدیہ -/۲۵ روپے
۲۵۔ مدینۃ العلم	ارشادات پیغمبر اکرمؐ ترجمہ سید جاوید جعفری	ہدیہ -/۳۰ روپے

۲۶۔ خطبہ مونقہ ارشادات علیؑ ابن ابی طالب	ترجمہ " " " "	ہدیہ	۱۰/- روپے
۲۷۔ اسلام میں مقام قرآن و عترت	ترجمہ سید محمد حسین زیدی	ہدیہ	۳۰/- روپے
۲۸۔ صحیفۂ پنجتن پاک	ترتیب آغا حسن رضا غدیری	ہدیہ	۱۵/- روپے
۲۹۔ ردِ دہریت	کیپٹن فہیم رضا	ہدیہ	۲۵/- روپے
۳۰۔ اسلامی اقتصادیات	حافظ سید ریاض حسین نجفی	ہدیہ	۱۵/- روپے
۳۱۔ آئین تربیت	ترجمہ: ثاقب نقوی۔ قیصر عباس	ہدیہ	۴۰/- روپے
۳۲۔ خلاصہ الغدیر	مولانا رضی جعفر نقوی	ہدیہ	۴۵/- روپے
۳۳۔ مسئلہ خمس	مولانا ابن حسن نجفی	ہدیہ	۲۵/- روپے
۳۴۔ تعلیمات اسلام	مولانا شیخ علی مدد نجفی	ہدیہ	۱۵/- روپے
۳۵۔ خاندان اور انسان	مولانا ذیشان حیدر جوادی	ہدیہ	۲۵/- روپے
۳۶۔ توحید القرآن	مولانا محمد ہارون زنگی پوری	ہدیہ	۵۰/- روپے
۳۷۔ شیعہ اور تحریفِ قرآن	آقائے علی میلانی	ہدیہ	۲۵/- روپے
۳۸۔ مبانی حکومتِ اسلامی	آیت اللہ جعفر سبحانی	ہدیہ	۴۰/- روپے
۳۹۔ میراثِ انبیاء	سید مجتبیٰ حسین	ہدیہ	۳۰/- روپے
۴۰۔ معاد	آقای محمد تقی فلسفی	ہدیہ	۱۰۰/- روپے
۴۱۔ تاریخ قرآن	ڈاکٹر محمود رامیار	ہدیہ	۱۵۰/- روپے

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر

۲۴۔ الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور

NAJAFI BOOK
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar
KARACHI
PH. 7211795